

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

شعری مجموعہ



الور سلیم

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑجوا کے

پڑجوا کے

پُرہوا کے

پیر ۱۷

بہارِ بزمِ

۳۔ پیرزادے

پڑھاے

پُرپوا کے

پیر ہوا کے

پڑھو اے



جملہ حقوق شریک حیات اور فرزند دل بند کے نام محفوظ

مکان نمبر ۷/۸/۲۶/۱۰۳۷۵/۱۷ سنٹوش نگر حیدرآباد ۵۰۰۰۵۹

PAR HAWA KE
(POETRY)
BY
ANWAR SALEEM
RS. 175/-



اس مجموعہ کی اشاعت میں

اُردو اکیدیمی آندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت بھی شامل ہے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



انور سلیم

ناشر



شاہد پبلی کیشنز دریا گنج نئی دہلی

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

☆ کتاب کا نام : پڑھو اے

☆ مصنف : الفز سلیم

☆ اشاعت : ۲۰۰۰ء

☆ قیمت : ۱۷۵ ایک سو پچھتر روپے

☆ کتابت : محمد ہارون بھرتوری

☆ سرورق : الفز سلیم

☆ طباعت : ایلاڈ ٹریڈرس نئی دہلی

☆ زیرِ اہتمام : ڈاکٹر شاہد حسین



ملنے کے پتے :

✦ ۱۔ الفز سلیم مکان نمبر ۱۷۱-۳۷۵/۲۴/۸/۸/۷

سنتوش نگر حیدر آباد-۵۹۰۰۰۵

✦ ۲۔ شاہد بلی کیشنز-۲۲۵۳ گلی ریشم والی کوچہ چیلان

دریا گنج نئی دہلی-۲ فون نمبر ۳۲۵۸۳۰۹

✦ ۳۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد دہلی-۴

✦ ۴۔ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس-گولامارکیٹ دریا گنج نئی دہلی-۲

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

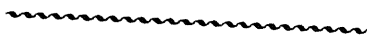
پڑھو اے

انتساب



اُس دائرہ کے نام
جو ان گنت دائروں پر
محیط ہے -

انور سکیم

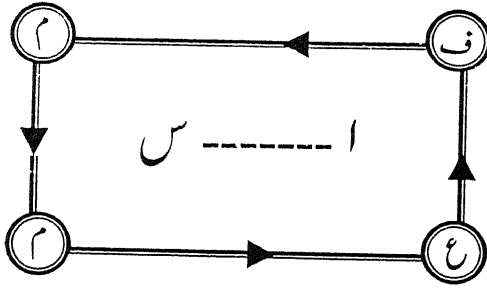


پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



☆ ابتداء عبد علی کے ساتھ۔

☆ اڑان بھری اودے پور (راجستھان) کے احباب کے ساتھ۔

☆ روح بنی اہلیہ۔

☆ حیدر آباد میں دوست احباب کا تقاضا ایک مدت سے... مگر....

☆ فاروق شکیل کا اصرار کامیاب... پھر....

☆ ایک مصروف ترین شخصیت م، ق، سلیم... جس نے اپنا قیمتی وقت

مسودہ تیار کرنے میں صرف کیا... اب....

☆ جب کہ یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کا سہرا

منظر الزماں خاں کے سر... اور....

☆ اب پلٹ کر دیکھتا ہوں تو عبد علی ہی سامنے ہے۔



پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

ترتیب

صفحہ نمبر

- ۱۳ پروفیسر مفتی تبسم
- ۱۷ ڈاکٹر ظل بیہا
- ۲۰ مضطر حجاز
- ۲۳ منظر الزماں خاں
- ۲۵ احمد ہمیش
- ۲۷ انور سلیم

- ۱ ”پڑھو کے“ ایک تاثر
- ۲ ہوا کے پروں سے صفر کے موبوم دائرے تک
- ۳ ہاں تو سنئے !
- ۴ نئے موسم کی آمد
- ۵ انور سلیم کی شاعری
- ۶ استکشاف

لیکھیں

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

لکیری

صفحہ نمبر

۱	زاویوں کی ...	۱۱	تا	۲۸
۲	روشنی کی ...	۲۹	"	۴۴
۳	مجھ سے وابستہ ...	۴۵	"	۵۴
۴	چھوٹی بڑی ...	۵۵	"	۸۶
۵	خالی	۸۷	"	۱۰۲
۶	رنگ برنگی	۱۰۳	"	۱۵۷

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

لکیریں ناویوں کی



Rehana





”پڑھو اے“ ایک تاثر

پروفیسر مغنی تبسم

انور سلیم راجستھان کے شہر اودے پور میں پیدا ہوئے۔ یہ سرزمین موسیقی، آرٹ اور ادب کا زرخیز خطہ ہے۔ اس مٹی کی سگندھ انور سلیم کی شاعری میں رچی بسی ہے۔ انور سلیم نے تلاش معاش میں اپنے آبائی وطن سے نکل کر جہاں گردی اختیار کی۔ خلیجی ممالک گئے، ایک عرصہ تنزانیہ میں گزارا۔ اب حیدر آباد کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ جہاں گردی کے تمام عرصے میں وہ اپنے مشاہدوں اور تجربوں کو شعر کا پیکر دیتے رہے۔ انھوں نے نہ تو اردو کی کلاسیکی شعری روایت سے زیادہ سڑکا رکھنا ہی جدید اور جدید تر رجحانات سے متاثر ہوئے۔ تجربات اور مشاہدات کے نتائج میں اگر ماضی اور ہم عصر فکر سے کہیں مماثلت نظر آتی ہے تو اس کا سبب تقلید نہیں ہے۔ عدم لا اور مایا کے تصورات جو تصوف اور ویدانت کی راہ سے ہماری شاعری میں در آئے ہیں ان میں شعرا نے بڑی موثر گائیڈ کی ہیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مضامین انھوں نے رسمی انداز میں نہیں باندھے بلکہ اس میں ان کے مشاہدے، تجربے اور احساس کی توثیق و گواہی شامل ہے۔ بیٹرنے کہا تھا:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

غائب : ہستی عدم ہے آئینہ گر رو بہ رونہ ہو

فانی فانی وہ میں ہوں نقطہ مہویم اتصال

جس میں عدم کی دونوں حدیں ہیں ملی ہوئی

کلاسیکی غزل میں ہستی کی بے ثباتی اور بے حقیقی کو جاب، سراب، عکس، سایہ وغیرہ استعاروں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ن. م. راشد نے انسان کو ”لا“ کے مساوی قرار دیا۔ انور سلیم نے اس کے لیے ”صفر“ کی اصطلاح وضع کی ہے۔ صفر کا یہ تصور مابعد الطبیعیاتی، صوفیانہ یا ویدانتی نہیں بلکہ طبعی، دنیوی اور ارضی ہے۔ اس تصور میں زندگی کی لالچیت کا احساس بھی شامل ہے۔

انور سلیم کے زیر طبع مجموعہ ”کلام“ پر ہوا کے ”میں“ ”خالی لکیریں“ کے باب میں کئی نظمیں شامل ہیں جو صفر کے تصور سے وابستہ ہیں۔ صفر، ہستی، صفر میں، صفر غزل، صفر رشتہ اور صفر معاملہ وغیرہ اس سلسلے سے بہت کر انور سلیم نے جو نظمیں لکھی ہیں ان کے موضوعات متنوع ہیں۔ ان میں شخصی واردات، جذبات، احساسات کی ترجمانی بھی ہے اور عالمی پس منظر میں عصری مسائل کا احاطہ بھی کیا گیا ہے۔ اب کسی اور ساگر کی مجھ کو نہیں جستجو، خود کشی، کالے لوگوں کا شہر، آخری جائزہ اس سفر کا، اس مجموعے کی چند نمائندہ موثر اور کامیاب نظمیں ہیں۔

انور سلیم کی غزل جدید تر غزلیہ شاعری کا شناخت نامہ ہے۔ ان کی غزلوں کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گزشتہ دو دہائیوں میں غزل کے تیور بدل گئے ہیں تبدیلی زبان میں بھی آئی ہے اور طرز احساس میں بھی۔ ان تبدیلیوں کے باوجود اچھے غزل گو شاعروں نے غزل کے مزاج اور تقاضوں کی پاسداری کی ہے۔ انور سلیم کو غزل کے فن پر دست رس حاصل ہے۔ تہہ داری اور معنی آفرینی روایتی غزل کا وصف ہے انور سلیم کی غزلیہ شاعری میں بھی یہ وصف نمایاں ہے لیکن اس کے لیے انھوں نے نئے پیرائے وضع کیے ہیں۔

انور سلیم کی غزلیہ شاعری میں جہاں عصری زندگی کے مسائل کا عکس جھلکتا ہے وہیں خارجی حالات سے نبرد آزما انسان کی داخلی کشاکش کا منظر بھی نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ذیل کے چند منتخب اشعار سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

کشتی کو بھروسے پہ ہوا کے میں بہاؤں گم نام سمندر کے مڑے لوٹ کے آؤں
شفاف نظر آنے لگے آنکھ کے شیشے جی چاہے ذرا آج یہاں گرداڑاؤں

کب سے دریا خشک پڑا ہے پھر بھی ضدیہ دیکھو
جال بچھائے آس لگائے بیٹھے روز مچھیرا
جانے کس ناگن کی کھوج میں نکلا تھا وہ گھر سے
جنگل جنگل گھوم کے بھی ہے خالی ہانڈ سپیرا

دودھ آج کل پلا رہا ہوں میں جانتا ہوں خصلتیں بھی ناگ کی

شب جنگل میں رہ کر اپنی آنکھیں کیوں چمکاتے ہو
سورج سے بھی آنکھ ملاؤ تو میں جالوں ہو بے باک
اک بادل ہے جس کے قبضے میں ہے دھرتی کی دولت
اور اک صحرا، ریت، بگولے، پیاس نقطہ اس کی املاک

مدف صورت نظر آتے ہیں چہرے تو بہت لیکن
نہیں معلوم کہ ان مول موتی کس میں پنہاں ہے

بھولی بھری یادوں کے آئینے میں پاؤں رکھتے ہی
تیری صورت بکھرے موتی اک دھاگے میں پڑتی ہے

روح کی تسکین ہو یا جان کا آزار ہو
سایہ دیوار ہے لیکن نہ ٹھہروں گا یہاں
بند مٹھی میں نہ جانے پھول ہو یا خار ہو
کیا بھروسہ یہ بھی کوئی ریت کی دیوار ہو

چھپی ہیں کرچیاں بھی کانچ کے کھلونے میں
ہوا چلے گی تو ہر سمت پھیل جاؤں گا
یہ سوچ کر ہی اسے رکھ دیا ہے کونے میں
اگرچہ ڈھیر ہوں مٹی کا ایک کونے میں

پی بیے میں نے سمندر کتنے
پھر بھی صحرا مرے اندر کتنے

سمجھتے تھے جسے سب کا میسا
یہی وہ شخص ہے جو دار پر ہے

لوگوں کا سیلاب ہے لیکن جان نہیں ہے شہروں میں
کہنے کو سب ساتھ ہیں لیکن پھر بھی کوئی ساتھ کہاں
سوچ کے اولے گرتے ہیں، اور سر کی نس نس پھٹتی ہے
کیسا موسم آیا ہے ہر سانس کی طاقت کھٹتی ہے
مجھے یقین ہے کہ انور سلیم کا مجموعہ کلام صاحب ذوق قارئین اور اہل نظر نقادوں
کی توجہ کا مرکز بنے گا اور یہ بھی کہ اس کی اشاعت کے بعد خود انور سلیم اپنے شعری سفر
میں نئی منزلوں کی کھوج میں نکل پڑیں گے۔

خبریں

۲۵ - ۱۰ - ۲۰۰۰

(پروفیسر مغنی تبسم)



”ہوا کے پروں سے صفر کے موبہوم دائرے تک“

ڈاکٹر ظہیر

انور سلیم کے مجموعہ کی سیر ذہن پرکھی لکیریں بنا دیتی ہے۔ یہ لکیریں یہ کہیے کہ سوالیہ نشان ہیں۔ آج کی زندگی آج کے ذہن اور ان دونوں کو پیش کرنے والی آج کی زبان کے نشان۔ فن کسی بھی صورت میں ہورقص کی شکل میں موسیقی کی صورت میں تعبیر کی ہئیت میں ایک خواب کی تعبیر بھی ہوتی ہے اور ایک نئے خواب کا پیولا بھی۔ یہ لکیریں اسی کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انور سلیم نے اپنے شعور کی آنکھوں سے کن کن چیزوں کو دیکھا ان سے متاثر قبول کیا تصورات کے سانچوں میں ڈھالا اور پھر اس کی کچھ تصویریں صفحہ قرطاس پر آگئیں۔

سب سے پہلے اس شعری تخلین کا نام متاثر کرتا ہے ”پڑھو اے“ ہوا کا رشتہ آواز سے بھی ہے ساز سے بھی اور پرواز سے بھی۔ جب اس موضوع پر سوچنے کا موقع ملتا ہے تو ہوا کے پروں کے معنی اور معنویت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہوا انور سلیم کے یہاں ایک محرک اور تسلسل کا نام بھی ہے اور نئی رسائیوں اور پہنائیوں تک پہنچنے کی خواہش بھی۔ ان کو یہ علامت اور اشاراتی لکیریں اتنی عزت بریکوں ہیں اس کی وجہ ان کی سوچ بھی ہے اور ان کا وہ مشاہدہ بھی جو ان کی زندگی میں بچپن سے جوانی اور عالم شباب سے اس دور زندگی تک

وابستگی رکھتا ہے جس سے وہ گزر رہے ہیں۔

ان کی نظموں میں دو علامتیں یا اشاراتی لکیریں خاص طور پر ابھرتی ہیں ایک دور تک پھیلا ہوا صحرا۔ ریت کی سطح پر بہتی ہوئی لہریں اور دوسرے ایک فکری تشنگی جو ان کو برابر ریت کی لہروں کی طرح بہائے لیے جاتی ہے اب یہ ایک عجیب اتفاق ہے اور ایک فنکار کے ذہن کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ وہ راجستھان میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے غلیجی ممالک میں بسلسلہ ملازمت رہے جو کچھ آنکھوں سے دیکھا اور ذہن سے سوچا اسے صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا۔ اسی لیے صحرا اس کی پہنائی و تنہائی ان کے شعور و شعر کو سمجھنے کے لیے مٹی آفریں علامتوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسے نظم میں بھی دیکھا جاسکتا ہے نظم کے مختصر ترین تجربوں میں بھی اور ان کی غزلوں میں بھی۔ ان کی نظمیہ شاعری ذہنی تجربوں کا درجہ رکھتی ہے اس کو وہ نئی علامتوں کے ذریعہ خود سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے دل کی گہرائیوں اور پہنائیوں میں بار بار یہ محسوس کیا ہے اور اس کو لکھا بھی ہے کہ ان کے خیالات نئے سوالات کو جنم دے رہے ہیں۔ یہ زندگی کیا ہے؟ کیوں ہے؟ اور کیا نہیں ہے؟ اس پر سہارے یہاں لکھا بھی گیا ہے سوچا بھی گیا ہے زندگی کو سراب اور حجاب و بڑی علامتوں میں قید بھی کیا گیا ہے۔ سلیم انور نے اُسے ”صفر“ میں قید کرنے کی کوشش کی ہے ہوا کے پروں سے صفر کے موبوم دائرے تک کتنے فاصلے ہیں جو آسمان کی وسعتوں کی طرح دور تا دور پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور پھر ایک پرچھائی کی طرح سمٹ جاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو خیال و حال کا یہ بدلتا ہوا منظر نامہ جہاں لفظ و معنی سے ہم رشتگی کے باوجود صحراؤں کی فضا اور اس ماحول سے زیادہ نسبت رکھتا ہے جہاں زندگی کی ہر شے اور ذہن کا ہر تمثیلی پیکر لمحہ بہ لمحہ اپنی ہیئت اپنی حد بندیوں اپنی تمثال اور معنی کو بدل دیتے ہیں ابھی ریت کے تودے ہیں جو ہواؤں کے سہارے بنتے ہیں۔ اپنی موجودگی اور ہوا کے تشکیلی کارناموں کا احساس دلاتے ہیں اور پھر اسی ہوا کے ساتھ تحلیل ہو جاتے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

ہیں۔ اور گرد کے ذرات میں بدل جاتے ہیں۔

القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم
یہی بنتی بگڑتی لکیریں ہیں سوال کرتی ہوئی علامتیں ہیں اور صفر کی لافانیت کا تصور
دلاتے ہوئے منظر نامے ہیں۔

ان اشعار میں ردیف و قوافی اور بحر و وزن کی پابندیوں کو تلاش نہ کیجئے
خیالات کی روانی اور قصائی کو ہواؤں کے پروں کی جنبشوں میں محسوس کیجئے
توہم اندر سلیم ان کے ادبی شعور اور شعری احساس سے کچھ زیادہ قریب آ سکیں گے
ان کی شاعری کا یہ حصہ ایک نئے زاویہ نظر سے ان کی ادبی کاوشوں کو پرکھنے کی ضرورت
اور اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔

ان کی غزلیہ شاعری بھی اپنے بہاؤ میں نئے شعور کی رو سے زیادہ قریب
آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ سرتا سر صرف شعور نہیں ہے بلکہ ادبی شعور کی
حیاتی لہریں ہیں۔ ان میں نغمہ بھی ہے وہ نغمہ جو نئے کا پابند ہے غزل میں ردیف
و قافیہ کا التزام اپنے معنی اور شعری معنویت کے ساتھ موجود ہے لیکن قابل توجہ
امران کی فکر کے وہ پہلو ہیں جن میں نیا پن ہے۔ زاویہ نگاہ کی طرف کی ہے اور احساس
کی وہ شدت جو جذبہ کی صداقت کو اپنے اندر سمیٹتی اور خوشبو کی طرح اپنی موجودگی
کا احساس دلاتی ہے۔

اس ضمن میں عبد علی صاحب کی خاموش معاونت بھی چاہیے لائق دید نہ ہو،
قابل داد و ضرور ہے کہ ان کی خاموش دہر خلوص شخصیت کا ہاتھ ہوا کے پر ہی کی طرح ان
دیکھے انداز سے کام کر رہا ہے۔ وہ کویت میں قیام پذیر ہیں۔ اس چھوٹی سی ریاست میں جہاں
دولت کی فراوانی بھی ہے اور اپنے من میں سمٹ کر سوچنے اور سوچ میں ڈوب جانے کی ایک
خاموش دعوت بھی۔ اور سلیم کی شاعری کا مطالعہ کرتے وقت عبد علی صاحب کی خاموش
شخصیت کا احساس بھی ایک روشن پرچھائی کی طرح ہوتا رہتا ہے۔ - ظاہر ہوا



ہاں! تو سنئے



مصطر حجاز

ہیکل نے کسب فن کے تین مراحل بتائے ہیں یعنی (1) Grasping (2) owning

(3) Developing

اسے مختصراً God فارمولہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اردو تعلیم اور نتیجتاً اردو تہذیب کے زوال کے بعد اب صورت حال یہ ہے کہ جس کسی فرد فرید کو اردو لکھنا یا پڑھنا آتا ہے وہ ضرور بالضرور شعر گوئی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ غالباً اس کے دو اسباب ہیں۔ (۱) مشاعروں کی گرم بازاری اور (۲) سستے قسم کے نیم ادبی، نیم فلمی اور نیم سماجی اردو جرائد کا اجرا، بلکہ مشروم گرو تھ! مشاعروں میں جہاں عام طور پر سب سے درجے کے سوتیلانہ اشعار پر دل دلتی ہے، واہ واہ کے ڈونگرے وصول کرنے کا شوق اور جرائد کو اپنی شکم پری کے لیے ہر قسم کے کلام کی اشاعت کی مجبوری۔ ان دو وجوہات سے سستی قسم کی غزل گوئی کو اردو میں بڑا فروغ حاصل ہوا ہے۔ کسب فن اور حصول علم (Grasping) اب ایک کار فضول ہے۔ جب یہی نہیں تو owning اور Developing کے مراحل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس الم ناک اور روح فرسا ماحول میں جب ہم انور سلیم جیسے شاعر کی آواز سنتے ہیں تو چونکے بغیر نہیں رہ سکتے۔ انور سلیم کی یہ منفرد آواز اس سبب سے بھی ہے کہ انھوں نے نہ مشاعروں سے سروکار رکھا ہے نہ رسالوں میں بکثرت چھپنے چھپانے سے، نہ مشاعروں کی طرحیں انھیں لکھنے پر مجبور کرتی ہیں نہ مدیران جرائد کے مطالبے۔

وہ تو شعر صرف اسی وقت کہتے ہیں جب ان کی طبیعت اندر سے انہیں شعر کہتے پر مجبور کرتی ہے:

شعر خود کردہ تقاضائے کہ گرد و فن ما

ان کی شاعری کو پڑھ کر ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ غزل کی شاعری میں ایسی تازگی ایک ناممکن سی بات ہے۔ نہ صرف معنوی اعتبار سے بلکہ لفظیات میں بھی انور سلیم کا شعر فی زمانہ دور دور تک پھیلے ہوئے نق و دق غارستان میں ایک پھولوں بھرا شجرِ زویدہ ہے۔ انور سلیم نے قدیم ہو کہ جدید ہر قسم کے کلیشوں کو اپنے پاس پھینکنے نہیں دیا۔ انہوں نے اپنا ڈکشن آپ بنایا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس میں ان کی کسی شعوری کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ ان کا ذہن ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ہے یعنی ان بندشوں سے بھی جو نام نہاد ”جدیدیت“ نے وضع کر رکھی ہیں اگر کسی قدر غیر جانبدار ہو کر دیکھیں تو ”جدیدیت“ نے بھی ”ترقی پسندی“ کی طرح کوئی کمی نہیں کی ہے۔ رجحان نے رفتہ رفتہ تحریک کی سی شکل اختیار کر لی۔ انور سلیم نے ان سارے جھمیلوں سے اپنے آپ کو دور رکھا ہے۔ اگرچہ ان کے ذہن اور فکر کی تعمیر مندی زندہ راجب تھانی (اودے پور) ماحول میں ہوئی ہے لیکن اردو محاورہ و زبان کی باریکیوں پر ان کی نظر گہری ہے۔ فن شعر سے بھی وہ کما حقہ واقف ہیں۔ لیکن فن کو انہوں نے اپنا راکب نہیں بنایا اپنا مرکب ہی رہنے دیا ہے۔

ملک و بیرون ملک کے اسفار نے بھی ان کے شعور کی کھڑکیاں کھولی ہیں۔ زندگی کے سرد و گرم نے ان کی سوچ اور فکر کے ہمینوں لگائی ہیں ان کے اندر کے فن کار نے زندگی کو دور اور نزدیک سے ہر طرح دیکھا ہے۔ ان سب نے مل کر ان کی شاعری کا خمیر گوندھا ہے جو ایک طرح سے ان کے تجربات کا عکس بھی ہے اور اس سے فرار بھی۔ یہ ایک نہایت سیدھی سادی اور سچی شاعری ہے۔ اس میں فکر اور فن کے جھول یا جھالیں نہیں۔ جو کچھ انہوں نے محسوس کیا اپنے مخصوص ڈکشن میں بیان کر دیا ہے۔ ان کا یہ ڈکشن کسی سے مستعار نہیں یہ ان کی اپنی آواز

ہے۔ ان کے اپنے علام ہیں، اشارے ہیں اور کناٹے ہیں۔ خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علام اور استعاروں کے امیر بھی نہیں۔ علام کی نگران کے یہاں نہیں ملے گی۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی آواز کے سحر میں بھی گرفتار نہیں ہوئے۔ ابھی تو ان کے شعری سفر کا آغاز ہے۔ خدا کرے کہ ان کے مزاج کا جو لیا واپا ہے اور جو ان کی شاعری میں بھی در آیا ہے وہ تادیر قائم رہے۔

مفطر مجاز

(نومبر ۱۹۹۹ء)



پڑجوا کے

پڑجوا کے

پڑجوا کے

پڑجوا کے



نئے موسم کی آمد



منظر الزماں خاں

الفاظ خالق پر صورت کی حیثیت سے نہیں بلکہ تحریر، تخیل، خیال اور علم کی حیثیت سے نازل ہوتے ہیں کہ نزول تخلیق کشف و کرامات ہوتا ہے کیونکہ جب علم تخیل میں شامل ہو جاتا ہے تو تحریر تخلیق کا باطنی لباس پہن لیتی ہے اور فکر علم عالم میں جلوہ افروز ہو جاتی ہے تو زمین شعر آباد ہو جاتی ہے کہ کشف عین خالق کو پہچان لیتی ہے تو تخلیق کے سارے اسرار و رموز عین العین ہو جاتے ہیں چنانچہ اچھی اور سچی شاعری کا پورا جسم موسیقی سے لبریز ہوتا ہے اور اس کی قرأت میں بہت سے سرپوشیدہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک عمدہ شعر ان گنت گھٹا گھٹوں کی چیم جیسا ہوتا ہے جو خاموش فضا میں گھل مل کر پوری کائنات کو نغمہ ریز کر دیتا ہے انور سلیم کی نظموں اور غزلوں میں بہت سے سُرور سے تعمیر کیے ہوئے مختلف نایاب محل موجود ہیں اور ان محلوں کی تعمیر ایک ماہر معمار کے تخیل اور فکر کا نتیجہ ہے مثلاً ان کی صفر پر لکھی ہوئی نظمیں۔ صفر سے لفظ تک اور لفظ سے صفر تک اور صفر سے لا انتہا تک پہنچنے کی کوشش میں معنویت اور معنویت کی حدوں کے اُن سُرور کو چھونے کی کوشش کرتی ہیں جو کسی خاموش ساز کے جسم میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اور ان خاموش سازوں کو چھیڑے اور ان کے اندر چھپے ہوئے سُرور کو شعروں کا جسم عطا کرنا ہی شاعر کا سب سے بڑا کارنامہ ہوتا ہے۔

چنا چہ انور سلیم اپنی لؤلؤ و مرجان شاعری میں ان موسیقی کے نئے پیکر تراشتے ہیں جن سے نئے موسم اور نئے قارئین ادب دور دور تھے۔ انور سلیم کا یہ نیا شعری مجموعہ ”پڑھو اے“ نئے موسم کی آمد کی بشارت دیتا ہے۔

منظر الزماں خاں

۱۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء





انور سلیم کی شاعری

✦
احمد ہمیش

حیرت ہے کہ انور سلیم نے حیدر آباد دکن جیسے درباری سرشت والے شہر میں بحیثیت شاعر صفر کا تصور کیا۔ جب کہ صفر فلسفہ اور ریاضی دونوں سطح پر ہندوستانی فکر کی ایجاد ہونے کے باوجود ازل وابد مبتنی اور نیستی بلکہ انتہائی مثبت اور انتہائی نفی کا تصور ہے۔ صفر تلاشِ ناتمام ہے۔ سوامی دوپکا نندنے امریکہ میں مذاہب کی کانفرنس کے موقع پر یعنی شونید شونہ کے موضوع پر اپنے طویل خطاب کے دوران مادہ پرست اہل مغرب کو ”کیا پایا اور کیا کھویا“ کے تحت جس و تخریریں ڈال دیے یہاں خیال رہے کہ شکر اچار یہ کہ فلسفہ مایا بھی تصور صفر کی ایک کڑی ہے مگر اہل مغرب کے یہاں عدمیت کی فکر اور پھر لایعنیت Absurdity کا رجحان بیک وقت ہندوستانی تصور صفر اور شکر اچار یہ کا فلسفہ مایا سے مستعار لیا گیا۔

اس امر کو دھیان میں رکھتے ہوئے اگر انور سلیم کے شعری منصب اور تصور صفر کو ذرا دیر یکجا کر کے دیکھا جائے تو یہ ایک کانٹری بیوشن تو بے شک ہے۔ تاہم یہ مسئلہ شاعری کے قاری کا ہے کہ وہ انور سلیم کی غزلوں سمیت صفری سلسلوں کی نظموں کو کس زمرے میں رکھتا ہے! البتہ اس حد تک پڑھا لکھا اور باشعور ہے کہ مختلف زبان میں شاعری بہت سی اقسام میں ہوئی ہے وہ انور سلیم کی شاعری کو ان قسم شاعری مانتے ہوئے داد ضرور دے سکتا ہے۔



استکشاف

☆
النور سلیم

✓ شاعری کی تعریف ادب کے بڑے بڑے سورماؤں نے اپنے اپنے ڈھنگ سے کی۔ اگر کوئی صرف ایک ہی تعریف پڑھے تو اسے لگے گا کہ بات ٹھیک ہے مگر بیک وقت کئی تعریفیں پڑھ ڈالے تو اسے محسوس ہوگا کہ شاعری کی مکمل تعریف تو کوئی بھی نہ کر سکا۔ یہ ہے چیز ایسی ہی۔ شاعر خود اپنے اس لطیف جذبہ کو نہیں پہچان پاتا۔ یہ جب سراٹھاتا ہے وہ اس کی بات مان لیتا ہے۔ اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی۔ ورنہ یہ پاسبان اس کے سر کو کچل دیگا۔ اور اس کا جوش سرد پڑ جائے گا۔

دنیا کی ہر بڑی زبان کا ادب کئی ادوار میں منقسم ہے۔ ایک ہی سمت میں بہتی ہوئی دھارا کا رخ کوئی ایک جیلا لیا کبھی کبھی مع چند معاون کے موڑ دیتا ہے۔ پھر ایک فاصلہ طے کرنے کے بعد کوئی اور اس کا رخ موڑ دیتا ہے۔ یہ عمل جاری و ساری ہے۔ محدود دے چند نے اپنے زمانے کے رائج سکہ سے اقتنا بھی بڑتا ہے۔

ایک انگریزی نظم "Unwritten Registry" میں شاعر Elaine V. Emans

نے بڑی اچھی اور پیاری بات کہی ہے۔ اس کے مطابق ہر شخص کے حلقے میں اپنی اپنی پسند کے یادگار لمحے محفوظ ہوتے ہیں اور یہ کہ ہر شخص کی اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔ گو کہ لاکھ ایک دوسرے سے مختلف سہی مگر عجیب انداز سے اس میں مماثلت و منشا بہت بھی ہے۔ وہ یوں کہ یہ ہر کسی کے دل کو گرماتے ہیں، ہر کسی کے دل کو اس سے تسکین و راحت ملتی ہے اور

ہر کوئی اس سے محفوظ ہوتا ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ یہ بات شاعری پر بھی صادق آئے۔ یہ سوچ ہے ہی بڑی عجیب شے! اس کا اظہار میں نے اپنی ایک نظم ”جس کو دیکھو یہی سوچتا ہے“ میں کیا ہے پھر ایک اور مختصر نظم ”وجود“ میں اپنی اوقات بھی بتائی ہے۔

میں شاعر ہوں، کس لیے شاعری کرتا ہوں؟ اس سے حاصل کیا؟ وغیرہ کئی قسم کے سوالات ہیں جن کا جواب خود مجھے بھی نہیں معلوم۔ گویا کہ میرا یہ سفر لا حاصل کا ہے۔

بیکار تو ہوا کے یہاں باندھنا ہے پر

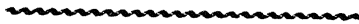
دفا دے اپنی سوچ کو اندھے مزار میں = صفر

کہ لفظ صفر۔ بے معنی، بامعنی، لا یعنی اور کیا!

اس کے چکر میں بھی پڑ کر دیکھ لیا۔ جس کے چند نمونے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور بھی اس کتاب میں بھانت بھانت کی بات ملے گی۔ مگر ڈکشن کا فیصلہ آپ کریں گے کہ کس حد تک اس میں مجھے کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ درک، فہم، رسائی، ترسیل جیسے قبیل کے الفاظ کے مطلب سے میں بے خبر نہیں۔ کوشش میری یہی رہی ہے۔

”انہیں ٹھیس نہ لگ جائے آگینوں کو“

(انور سلیم)



لکیریں

روشنی کی



Rehana





اعوذ ”پناہ“

پاک سایہ ڈال دے
نا پاک مجھ کو چھونے لے
خوف اس کا چار سو
سامنا ہر ہر قدم



بسم اللہ "ابتدا"

نام پیارا، نام پیارا
ابتدا بس ابتدا
نام سے تیرے
ہے تو

حد سے بے حد چاہنے والا
دُیا کا اک سمندر بیکراں

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



کلمہ طیبہ ”اقرار“

دوسرا کوئی نہیں، کوئی نہیں تیرے سوا
روح کی گہرائیوں سے آرہی ہے یہ صدا
اس قدر تعریف کی تو نے کسی کی بھی کہاں
آخری پیغام برے شک چھپتا ہے ترا



سورہ فاتحہ

بیاں میں لاکھ چاہوں بھی تو کر سکتا نہیں
 کہ کائنات کے جنگل اور پانی
 قلم و روشنائی میں بدل کر
 خنار خواں کے لیے ناکافی ہوں گے
 یہ زمیں سب کچھ نہیں
 ان گنت دنیاؤں کا تو پالنہار
 تیری لیلا امیر مپار
 توشفیق اتنا کہ مجھ کو آج تک
 جو بھی مانگا وہ دیا
 اور بیشک تو سمندر ہے دیا کا
 مجھ سے سرزد ہو گئی ہوں گی
 کئی گستاخیاں
 پر سزا تو نے نہ دی
 وہ گھڑی، وہ روز تیرے ہاتھ
 تیرے بس کی بات
 فیصلہ مخلوق کا

تیرے آگے سر جھکاتا ہوں
 کہ تو
 غیر کے آگے اسے جھکنے نہ دے
 کون میرا ہے سوا تیرے
 کہ تجھ سے مانگتا ہوں
 سیدھا سیدھا راستہ
 بھیڑ میں گم ہو نہ جاؤں
 کرے شامل مجھ کو تو اس قافلہ میں
 برکتوں والا جو ہے
 اور وہ
 جن پہ ظاہر برہمی تیری
 ملامت
 مجھ کو ان کے درمیاں
 گرنے نہ دے
 گرنے نہ دے
 ایسا ہی ہو !

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



سورہ قدر پر مبنی ”شب قدر“

رات پیاری

قدر والی

ہے ہماری

جگ کے پالنہار نے جس میں اتاری

روشنی

روشنی یعنی کتاب

ایسی کہ جو ہے بے مثال

پوچھتا ہے

کچھ تمہیں پہچان ہے

تم بھلا جانو گئے کیا

عمر ساری

جو تمہاری

اس پر بھاری

رات پیاری قدر والی

آسمانوں کے جو باسی

ساتھ میں سردار کے

دھرتی پہ آتے ہیں

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

کہ ان کو بھیجتا ہے

اور اس کا حکم ہے

میرے پجاری

رات ساری

جو جھکائے دل میری دہلیز پر

تم خبر لانا

اے لوگو!

مانگنا ہے جو بھی مانگو

وہ ناکرتا ہے

میں تے

سارے دروازے خزانے کے

تمہارے واسطے

واکیے ہیں

دور افتق پر

جب نقیب

سورج کے آنے کی خبر دے

تب تلک

میرے، تمہارے

اور سب کے واسطے

..... سالم

..... سلامت

رات پیاری

قدر والی

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے



”ستر مساوی ایک“

نافرمان بچہ کا بھی بوجھ اٹھائے

ماں !

تھکتی نہیں ہے

تو تو

۷۰ = ۱ (ستر مساوی ایک)

نافرمان سہی

میں بدکار سہی

ایقان مگر یہ ہے

۷۰ = ۱ ، ۷۰ = ۱ -

سواد اس قدر

کہ رستہ ہے
 نہیں ہے
 پتہ چلتا نہیں ہے
 کرم تیرا چراغِ راہ
 مسافتِ رخت مانگے
 اور سفرِ نا آشنا میں ہوں
 مجھے پردے
 نہ دے
 ہے تیرے اختیارِ شش بہت میں
 مجھے منزل پہ پہنچا دے ۔

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



نعتیہ نظم

نور ہی نور ہے! نور ہی نور ہے!
 اور اس نور کا ایک ہالہ بھی ہے
 جو کہ مرکز بھی ہے
 روشنی کے سبھی دائروں کا
 جس سے افلاک اور یہ زمیں سب کے سب
 روشنی، روشنی کے سمندر میں غرق
 جب سیاہی افق تا افق پھیلتی ہے
 تو کوئی کرن پھوٹی ہے
 پھریوں ہوا
 کالی کالی لکیروں کی فوجوں نے گھیرا زمیں کو
 تو آیا وہ ہالہ مٹانے انہیں
 دیکھتے دیکھتے پھیلنے وہ لگا
 اور تاحشر وہ پھیلتا ہی رہے گا



نعتیہ دوہے

دھوپ کی چنتا کون کرے کیا سورج اسے جلانے
چھاؤں گھنیری پٹر کی تیرے جس کو بھی مل جائے

چاروں اور اندھیرا گھپ جگنو بھی نظر نہ آئے
ایسے رات کے راہی کو تو پیل میں بھور دکھائے

کل کیا ہوگا میرا پانی من جب جب گھبرائے
تب تب اس کا پیچھی اڑ کر تیری نگریا جائے

رب کے پیارے دیا کا سا گردینے پر جب آئے
اتنا دیوے تو پیارے لیتے لیتے تھک جائے

گنبد ہے اک ہر اہر جو سب کے من کو بھلائے
اس کی چھاؤں ملے اگر تو سا را جگ مل جائے

کالی کالی کملی اپنے سر پر جب لہرائے
ڈر کا ہے کارب کا پھر جب چاہے بلاوا آئے



کبیر داس پیدائش: ۶۱۳۹۸۔ وفات: ۱۵۲۸ء

ہندی دوبا

عدد نکالو ہر چیز سے چوگن کر لو وائے
دو ملا کے بیچگن کر لو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے نوگن کر لو اس میں دو اور ملائے
کہتے کبیر سنو بھی سادھو نام محمد آئے

کبیر داس کے دوہے کا اردو ترجمہ۔ انور سکیم

تم نکالو عدد چاہے جس کا بھی ہو چار سے ضرب دو
دو جمع پانچ سے ضرب پھر بیس سے اس کی تقسیم ہو
جو بھی باقی بچے نو سے دو ضرب پھر دو جمع ہو وہاں
آئے نام محمد کبیر کہے آنکھ سے چوم لو

انور سکیم پ: ۱۹۴۸ء م ۱۳۶۸ ہجری

ہندی دوبا

عدد نکالو ہر چیز سے اٹھ گن کر لو وائے
چھ ملا کے دس گن کر لو اسی کا بھاگ لگائے

باقی بچے کے تیر گن کر لو اس میں چھ اور ملائے
کہتے سلیم بسم اللہ الرحمن الرحیم آئے

۷۸۹

عدد نکالو ہر چیز سے تین گن کر لو دوائے
دو ملا کے چھ گن کر لو بھاگ اٹھراہ لگائے
باقی بچے کے پچاس گن کر لو اس میں چھ اور ملائے
کہتے سلیم سنو بھی سادھو نام اللہ آئے

۶۶

عدد نکالو ہر چیز سے تین گن کر لو دوائے
دو ملا کے گیارہ گن کر لو بھاگ تینتیس لگائے
باقی بچے کے دس گن کر لو اس میں گیارہ اور ملائے
کہتے سلیم سنو بھی سادھو نام ابو بکر آئے

۲۳۱

عدد نکالو ہر چیز سے چو گن کر لو دوائے
تین ملا کے دس گن کر لو بھاگ چالیس لگائے
باقی بچے کے دس گن کر لو اس میں دس اور ملائے
کہتے سلیم سنو بھائی سادھو نام عمر رضی آئے

۳۱۰

عدد نکالو ہر چیز سے چو گن کر لو دوائے
تین ملا کے دس گن کر لو بھاگ چالیس لگائے
باقی بچے بائیس گن کر لو اس میں ایک اور ملائے
کہتے سلیم سنو بھی سادھو نام عثمان آئے

۶۶۱

۶۔ عدد نکالو ہر چیز سے دو گن کر لو وائے
ایک ملا کے دس گن کر لو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے دس گن کر لو اس میں دس اور ملائے
کہتے سلیم سنو بھی سادھو نام علی ہی آئے
۱۱۰

۷۔ عدد نکالو ہر چیز سے دو گن کر لو وائے
ایک ملا کے دس گن کر لو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے تیر گن کر لو اس میں پانچ اور ملائے
کہتے سلیم سنو بھی سادھو نام فاطمہ ہی آئے
۱۳۵

۸۔ عدد نکالو ہر چیز سے دو گن کر لو وائے
ایک ملا کے دس گن کر لو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے دس گن کر لو اس میں اٹھارہ ملائے
کہتے سلیم سنو بھی سادھو نام حسن ہی آئے
۱۱۸

۹۔ عدد نکالو ہر چیز سے دو گن کر لو وائے
ایک ملا کے دس گن کر لو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے بار گن کر لو اس میں آٹھ اور ملائے
کہتے سلیم سنو بھائی سادھو نام حسین ہی آئے
۱۲۸

لکیریں

مجھ سے وابستہ



Rehana



۵۷

والدہ کے انتقال پر

کیسی بجلی گری
 کیا گھٹا چھا گئی
 دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا!
 ایک سایا تھا سر پر مرے پیار کا
 میری قسمت نے وہ بھی نہ رہنے دیا!
 زسیت کے ایک اک موڑ پر
 مامتا کا دیا
 جگمگاتا تھا
 وہ سمجھ گیا!
 گھپ اندھیروں میں اب
 میں بھٹکنے کو بس رہ گیا!
 سوچ کے سارے دراورد رت پکے
 ہوئے بند جیسے
 میں تھرا گیا!
 رفتہ رفتہ

ہوئی دل پہ دستک
جو دیکھا تو اک اک افتق
اس کا روشن
منور تھا !
اور یہ
عمر بھریوں ہی تازہ بہ تازہ
رہے۔ اے خدا !

۵۹ غزل

ہے بڑی پرپیچ میرے یار یہ راہ حیات
 دے سہارا آگے مجھ کو تھام بھی لے میرا ہاتھ
 تو اگر میرے سفر میں ہم سفر بن کر چلے
 راستے کے خار بھی گل بن کے دیں گے میرا ساتھ
 میں تجھے گہرائیوں میں روح کی دیدوں پناہ
 تو بھی کرے جذب اپنی ذات میں یہ میری ذات
 توڑ دے دیوار حائل ہے جو اپنے درمیاں
 دل کے رشتے مذہب و ملت سے آگے کی ہے بات
 یا میری منزل کی جانب بڑھ یا مجھ کو چھوڑ دے
 حوصلوں پر منحصر ہے یار تیرا میرا ساتھ
 منتظر کب سے کھڑا ہوں ابھی جا اب تو سلیم
 کیا مجھے تنہائی سے اپنی ملے گی بھی نجات !

۵۰

اب کسی اور ساگر کی مجھ کو نہیں جستجو

دشت در دشت میں پھر رہا تھا یوں ہی
تشنگی تشنگی چار سو

کچھ نہیں

اور پھر یوں ہوا

ایک سایا کہیں دور آیا نظر

بڑھ رہا تھا ادھر

اور بڑھتا گیا

اپنے انجام سے بے خبر

ایک لمبی سافت

جو طے کی ہو ہر ہر قدم پر

سرابوں سے لڑ کر

وہ کیا سوچتا تھا !

مگر ایسا کچھ نہ ہوا

چلتے چلتے جو آیا

تو پایا سمندر

اور اب اس کے ساحل پہ
 بس آ کے رک سا گیا ہوں
 یہ چاہے مجھے غرق کر دے
 یا پھر تشنگی کو بجھا دے
 مگر
 اب کسی اور ساگر کی مجھ کو نہیں جستجو۔

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

نظم ۱۸ رجون

آج یادوں کے میں کچھ ورق پڑھ رہا ہوں
 یہ اک اہم باب ہے
 دو افق
 دو ستارے
 آہستہ آہستہ گردش میں آئے
 پھر اک کشش
 درمیاں ان کے ابھری
 اور
 بڑھنے لگے دولوں ہی ایک سمت
 فاصلہ جس قدر کم سے کم ہو رہا تھا
 مشکلیں اس قدر بڑھ رہی تھیں
 مرحلے کر کے طے کیسے کیسے
 آج کے دن میں رکھا قدم
 ہر برس آج کا دن
 مری عمر میں اہم ہے

جب کہ سورج تھا مہان
 بس کچھ گھڑی کا
 ساتھ ہلی سی رم جہم کی شہنائیاں
 اور ایسے میں
 یہ دو ستارے
 ایک مرکز پہ آکر رکے ۔

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

۵۲

بیٹے ارشد کی ساگرہ پر

گھر میں چاند اترا پیارا میرا پیارا مٹلی
 جس سے ہو گیا ہے گھر کا گھری سارا مٹلی
 طوطا مینا کو بھی آئے رشک ایسا ہے کلا
 گھر میں گونجے میرے کیسا یہ پکارا مٹلی
 کوہ قاف میں جس کی آمد کے ہیں سارے منتظر
 میری گود میں دیکھو ہے وہ ماہ پارا مٹلی
 آدھے دن کا سورج ہے یہ آدھے ماس کا چنڈا
 جتنے منہ اتنی باتیں ہیں لو چٹخا مٹلی
 ڈیڈی امی کا تو دل ہے لیکن سب کا لاڈلا
 سب کا جابا ہے یہ سب کا ہے دلاڑمٹلی
 کھیون ہار ہماری کشتی کے ہے تجھ سے یہ دعا
 رکھنا سامنے اس کشتی کے یہ کنارہ مٹلی
 رہا مانگے تجھ سے تو اتنا ہی مانگے ہے سلیم
 آگے چل کر ہو ہمارا یہ سہارا مٹلی

پربوا کے

پربوا کے

پربوا کے

پربوا کے

لکیریں

چھوٹی بڑی



Rehana



پربوا کے

پربوا کے

پربوا کے

پربوا کے



صرف ہوا

دستک ہوئی
دروازہ کھلا
ہوا ٹکرائی
کسی احساس نے کروٹ نہیں لی

آوازوں کے کام

ذہن
آئینہ ہے جس میں
کئی عکس
اپنے اپنے روپ دکھانے آتے ہیں
آوازیں
پتھر ہیں
آئینہ کو توڑ دیا کرتی ہیں۔

* خودکشی

ایک سایہ چلتے چلتے رک گیا
 آئینے میں دیر تک تنکنا رہا
 پھرا چانک
 آئینے کو ایک جنبش سی ہوئی
 اور وہاں کوئی نہ تھا۔

سفر

انگ انگ
 تھک کے چور ہو گئے ہیں
 چل رہا ہوں
 کون
 آواز ہے؟
 کیسی
 آواز ہے؟
 اور کتنی
 منزلوں کا ہے سفر؟

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



کالا آنچل

سنا سنا
 رات کو بھونکے
 ایسا لگے
 کہ کالے پتلے آنے والے ہیں۔
 سہمے سہمے
 بند گھروں کے
 لوگوں کے اعصاب بتائے
 رات اور دن کا فرق۔
 کتنے منظر
 شعلے ہی شعلے۔۔۔!
 شہر کا حاصل
 گہرا کالا دھواں!
 کوؤں کی کایں کایں،
 چیلوں کی جھپٹیں
 پھر دلوں میں کالی لکیریں

اور ان سب کے بیچ
 زبانیں لٹکائے
 کالے کتے
 آئے اور جائے
 بچپن سے سنتے آئے تھے
 لفظ قیامت
 عکس قیامت دیکھا تو
 تھرا اٹھے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

* شکست و موت کے مابین

سمندر سست ہے
 بیزار لگتا ہے
 اسے یہ کیا ہوا ہے
 کہ اس کی بے حسی جاتی نہیں ہے۔
 کبھی کنکر بھی سینے پر پڑا تو
 یہ تڑپ اٹھتا تھا
 مگر اب تو
 بلا میں لاکھ اوپر سے گزر جائیں
 کوئی ہلچل نہیں
 غضب، غصہ، قہر
 سب کیا ہوا۔
 عمل، رد عمل
 شکست و موت کے مابین !



کالے لوگوں کا شہر

کنارے سمندر کے ہے روشنی شہر کی
 کالے لوگوں کا یہ شہر ہے۔
 جو ابھی خواب سے بس اٹھے ہیں
 ابھی تک بچارے بہت درد دکھ سہہ چکے ہیں
 انہیں اب یہ محسوس ہونے لگا ہے۔
 کہ ہم بھی تو انسان ہیں !
 اور اب ان کے بیدار لوگوں میں
 نفرت کے شعلے بھڑکنے لگے ہیں
 یہ کہنے لگے ہیں
 کہ رنگوں کی تفریق کا یہ سبق
 تم کو کس نے سکھایا
 یہ تم بھول جاؤ کہ ہم کون کیا تھے
 تمہیں یہ بتائیں گے ہم کون کیا ہیں !

(تنزانیہ کے دارالحکومت دارالسلام میں کہی گئی)



گنبد بے در کی بیخ

سبھاو

روشنی بڑھ کر

نکالو

رات کے ملبے سے

بچالو

کھنڈ راندر کھنڈ ردھننے سے اس کو

اچھالو

ساعتیں

لیکن نہ کچلو

نہ جانے اس عمل میں

کون سی ساعت چلی آئے سفر کی !

* گھٹن

چند تصویرِ تباہ کا
 رقص دیواروں پہ ہے
 چشم ماحولِ نیمِ دا
 میکدوں سے دور
 میرا یہ تصورِ میکدہ
 خوف سے مچھلی پڑی ہے نیمِ جاں
 آئینہ ٹوٹا تو اس کی کرجیاں
 اور کس سے کھینتی خوں کے سوا
 ہنس زنجی دیکھے کتے کی زباں
 میں ابھی تو دیکھتا ہوں
 منہ تیرا ملتا ہوا
 جب جی آواز پگھلے گی تو پھر
 سن لوں گا میں
 پل کے اوہر بھیڑا تنی ہے کہ ہم
 دھیان رکھیں کیسے سائڈ پولس کا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

میں کہاں ہوں؟

کون سی دنیا میں ہوں؟

یہ کیا جگہ ہے؟

یہ سوال

ہر کیوس نے بھی کیے تھے

اور پریکس نے بھی

لیکن

ان دونوں میں کتنا فرق ہے؟

تجربہ مرمر کے زندہ ہونے کا

تجربہ

بس تجربہ ہی تجربہ !!



ایک چہرہ حسین

ایسا لگتا ہے کہ نہایا ہوا
 روشنی میں تمہارا چہرہ ہے
 آؤ آؤ قریب تو آؤ
 اپنی آنکھوں کی اس سیاہی کو
 دور کر دوں میں دو گھڑی بھر کو
 پھر نہ جانے یہ موسمی بادل
 کب گزر جائے تینتے صحرے سے
 دور سیراب وادیوں کی طرف
 ایسا لگتا ہے کہ نہایا ہوا
 روشنی میں تمہارا چہرہ ہے
 آؤ آؤ قریب تو آؤ -
 اپنی بے باک آرزو سے اگر
 دور جانا بھی چاہوں
 جانہ سکوں
 روشنی روشنی کے ساتھ رہے

تو اندھیروں کا کون رکھو الا ؟
 مان کر یہ سیما ہی کو مرکز
 دائرہ آنکھ کا بنایا گیا
 آؤ آؤ مجھے یہ موقع دو
 روشنی کو بنا کے مرکز میں
 دائرہ آنکھ کا بنا ڈالوں
 آؤ آؤ مجھے یہ موقع دو
 ایسا لگتا ہے کہ نہایا ہوا
 روشنی میں تمہارا چہرہ ہے
 آؤ آؤ قریب آ جاؤ !

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے



دوبتی آواز

اچھالتا ہوں ہوا میں لمحے
 یہ سوچ کر ہی
 کہ اس زمیں نے
 دیا ہے کیا
 مجھ کو کیا یہ دے گی؟
 عجیب احساس کا ہے سایا
 جو سر پہ منڈلا رہا ہے میرے
 میں جی رہا ہوں جو گو وہ
 زندگی نہیں کوئی اور شے ہے
 اداس لمحوں کی ہر کڑی کو
 کہاں تلک جوڑنا رہوں گا؟
 یہ سلسلہ لگ رہا ہے ایسا
 کہ زندگی میں نہ ختم ہوگا
 کہ ہڈیوں سے چپک رہا ہے
 یہ گوشت میرے بدن کا دیکھو

ان ہڈیوں میں چھپا مسالہ بھی
 ہڈیوں کو گلارہا ہے
 اور پھر ایک دن
 کھال میری سمٹ جائے گی
 اور مشک یہ
 سوکھ جائے گی، سٹر جائے گی
 بس دائرے
 ڈوبتی ہوئی آوازوں کے
 پھیلنے جائیں گے۔

پڑیوا کے

پڑیوا کے

پڑیوا کے

پڑیوا کے

پڑیوا کے

پڑیوا کے

پڑیوا کے

پڑیوا کے



نور کی اک بوند کا یہ دوپہ پیا سا ہے

الف خلاؤں میں چھلانگیں ہیں
 اور روشنی کی جستجو۔
 ب وہی مسئلے روشنی کے ہیں جو
 آج سے سینکڑوں سال پہلے بھی تھے
 مگر پہلے اک نور کی بوند کوئی
 بدن میں چھپائے کبھی آتو جاتا
 ابھی ہم فلک پر پہنچنے لگے ہیں
 مگر نور کی بوند اپنے بدن میں
 چھپائے کوئی مل رہا ہی نہیں ہے
 ج ہوا کا زور شور ہے
 سمندروں کی موج
 پیٹھ ساحلوں کی ہے
 د ابھی بھی فلک کو تجاے تو ہم
 یا خدا کہہ ہی دیتے ہیں۔
 ابھی بھی زمیں گھر گھڑاتی ہے۔

ہم یا خدا کہہ ہی دیتے ہیں
 ابھی بھی سمندر میں لہریں مچلتی ہیں
 ہم یا خدا کہہ ہی دیتے ہیں
 تو وہ لوگ صدیوں پرلنے
 جو آکاش دھرتی سمندر کے بارے میں
 کچھ بھی نہیں جانتے تھے
 ہم ان سے آگے کہاں ہیں؟
 روشنی کے لیے ترستا ہوں
 کون جانے کہ یہ اجالا بھی
 جس سے آنکھوں کی نبض چلتی ہے
 کب یہ سایہ کے ساتھ ہو جائے !

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے



خامشی دودلوں کی

”ایک شاعر کے آنسوؤں کا محل
کتنا مضبوط ! کہہ نہیں سکتا
کیا کبھی ڈھ نہیں سکتا
ہاتھ لگا کر دیکھو“

”میرے سینے میں رواں خاموش
دریا ہے۔
یہ سفر لمبا ہے کتنا
ادب تک
فرض یہ انجام دینا ہے مجھے
کچھ بتاؤ“

”تم میرے احساس کا درپن نہ سمجھو
اس درق کو
میں تو خود ہی آئینہ ہوں

سامنے آکر دیکھو“

”آئینہ اک میں بھی ہوں

لیکن

ایک ہی عکس کا پرستار

(داور بھی آتے ہیں)

اور اس سے بڑھ کر اک آواز ہوں

آواز !

جو بیمار ذہنوں کا علاج۔“

”ہا..... ہا..... ہا..... ہا..... !

آواز !

جو رکتی نہیں ہے

جانتی ہو

تھک جائے گی..... تھک جائے گی... تھک جائے گی

اور تیرا ذہن

خود بیمار ہو جائے گا“

”

”تو میں کیا کروں.....

میں کیا کروں.....

میں کیا کروں.....

میرا کوئی ذہن نہیں

کوئی تصور نہیں“

” میں بھی سوچتا ہوں
یہی بات ہے
اور اسی بات پر
لوگ تھوڑے دنوں بعد
پاگل کہیں گے مجھے
اور تو !

درمیاں اس کے
خود بہ خود ہو جائے گی
باورِ مح

دکھنا کی فلم خاموشی دیکھنے کے بعد کا تاثر

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



میرے عہد کے لوگوں سے

ایک شاعر کا تصور
 اس قدر سنگین
 اور اتنا بھیانک
 ہو بھی سکتا ہے
 کبھی کیا تم نے سوچا ہی نہیں
 میری نس نس
 جو سکڑتی پھیلی جاتی ہے
 دل جو پلیوں میں جا کر
 پھنس گیا ہے۔
 اور دھڑکن بھی کبھی
 محسوس ہوتی ہے
 کبھی ہوتی نہیں
 اس کے ذمہ دار کون؟
 وہ!
 جو سمجھنے سے لگے ہیں

کھیتیاں انسان کی ہونے لگی ہیں
اور کچھ حصوں میں
یہ فصلیں بھی کاٹی جا رہی ہیں
بولو

میرے ذہن کو
اسکینز و فرنیچا کا گھر
تم کو بنا کر کیا ملے گا؟
تم ہنسو گے کچھ دنوں کے بعد
میری حرکتوں کو دیکھ کر
بس یہی! بس یہی!!
بس یہی.....
اور کچھ نہیں۔

(دویت نام جنگ کے دوران کہی گئی)



انتشار

خواہشوں کی دنیا میں
 دور تک اندھیرا ہے
 صبح تو کی امیدیں
 راکھ راکھ بکھری ہیں
 پھیلتی ہوئی دنیا
 آگے میری آنکھوں کے
 صرف ایک نقطہ میں
 آج پھر سے سمٹی ہے
 جانے کس طرح کا ہے
 یہ خموشیوں کا بن
 قہقہوں کے سائے بھی
 دیکھو لاشے لاشے ہیں
 پھول کی مٹھاسوں میں
 زہر زہر گھلتا ہے
 مکینوں کے جھنڈوں میں
 کیسا شور برپا ہے
 اس طرح لکیروں میں
 کون لکھنے والا ہے
 حرف حرف مڑتا ہے
 یہ عجیب جھگڑا ہے!



خاموشیوں کا نگر

دیکھ لو آخری یہ سفر
 جس کو کہتے ہیں
 انجانی سمتوں کی اور
 بھلا اس سے آگے بھی کوئی نشان
 منزلوں کے ملیں گے؟
 یہ سرحد! یہ سرحد
 کہ معلوم ہے کس کو
 کن سرحدوں سے ملی ہے؟
 کہ خاموشیوں کا نگر!
 یا کہ قیدوں کی ہے راحتیں!
 یا کہ نائٹ کا ہے سین یہ دوسرا؟
 کہاں کون رستہ ملتا ہے اس سے
 نہ میں جانتا ہوں
 نہ تم جانتے ہو
 چلو تم تو اس بھیڑ کے ساتھ ہی

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

جو کہ پل پر سے ہو کر
گزرتی رہی ہے
وہ دیکھو
وہ خاموشیوں کا نگر
خوف کی کالی چادر میں
لپٹا پڑا ہے !



ایک خواہش سے پہلے

سوچ لو

کہ زندگی کئی کچھ نہیں
جائے کس کس موڑ سے میں ہو کے گزرا
کتے راہوں کے اندھیرے

اور ا جائے ساتھ تھے

پھر بھی میں تنہا سفر کرتا رہا

سوچ لو

کہ یہ جوانی کچھ نہیں

آزادوں کا جنازہ

ڈال کر کندھوں پہ میں

اور صدیوں کا پرانا

اک تصور ساتھ میں

پھر بھی تو میں ہوں

اکیلا ہی اکیلا

تو سنو

میری کہانی کچھ نہیں
 صرف آوازوں کا اک گہرا سمندر
 حلق میں الفاظ کی تیکھی چیمین
 اک گٹھن

اور چاروں اور
 اک گہرا سکوت

دنیا والو
 نہرانی کچھ نہیں
 بھول جانا مجھ کو

کہ

میری نشانی کچھ نہیں
 میری کہانی کچھ نہیں
 میری جوانی کچھ نہیں
 یہ زندگانی کچھ نہیں -

آخری جائزہ اس سفر کا *

کہ میں دیکھتا تھا
 اگر تیری آنکھوں میں قوس قزح ٹوٹ جائے
 تو میری تنہیلی کی رکیھاؤں میں جنگ ہو جائے
 مجھے دل کی گہرائیوں سے کوئی ڈھونڈ کر پھرنے لائے
 مجھے روح کی بس فسیلوں، حصاروں میں قیدوں میں دھر کر
 مجھے سب پناہوں سے آزاد کر دے
 کہ جو مانس ہے آج کی نوحہ گر
 وہ ہزاروں برس کے نہ قہقہے سنائے
 یہ لمبی مسافت جو طے کی ہے میں نے صفر سے یہاں تک
 وہ سب بس پرت در پرت د ب کے آگے بڑھی ہے
 بہت کچھ گنوا یا ہے، پایا ہے، پھر بھی
 ابھی تک ہے میرا سفر نامہ مکمل

تو میں دیکھتا ہوں
 تیری آنکھ ہفت رنگ دیوار خود ہے
 میرے دل کی گہرائی میں ریت ہے
 میری روح میں اک خلا ہے
 سفر اس زمین پر مکمل نہ ہو گا -
 تنہیلی کی رکیھاؤں میں شور ہے

* من کا بنبھی

من کا بنبھی چھٹا کر
تن کی سلاخوں سے ٹکرا کر
جلنے کس وقت
اوڑھ لے یہ کالی چادر
اس سے پہلے
کوئی میری پسلی سے نکل کر
پشتارہ میری تنہائیوں کا اٹھا کر
ساتھ میں چل دے میرے سفر پر

وجود

ایک بڑے سادہ کاغذ پر
آڑی ترچھی رکھاؤں میں
چھپے ہوئے اک نقطہ کے
کون سے حصے کا حصہ
دارکہ اپنا !

* قضیہ

قمر خورشید و انجم
 چاند سورج اور تارے
 ہے کیا تفریق ان میں
 زبان میری سمندر
 ہیں جس میں
 ہمہ اقسام موتی اور گہر
 مرے جو ہاتھ آجائے
 اسے لے لوں
 سجاؤں
 اپنی تخریریں
 یہ جھگڑا
 اور
 یہ قضیہ
 کیا ہے
 لی پی اور رسم الخط کا !

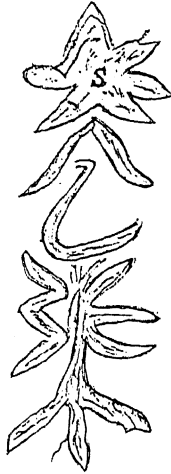


ایک نظم

جس کو رکھیو یہی سوچتا ہے
 کہ جو اس کو کرنا ہے
 یا جو کیا
 یا جو وہ کر رہا ہے
 وہی سچ ہے
 اور میں
 اسی کشمکش میں الجھتا ہوا
 کیا غلط کیا ہے سچ
 بس کھڑا ہوں
 سوچتا ہوں
 کہ
 اپنے ہی ہاتھوں سے
 پڑ سوچ کے کاٹ ڈالوں !

لکیریں

خالی



Rehana



پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے



صفر ہستی

ہے جیسے نام میرا
لفظ

بے معنی و مبہم
جاننا ہے کون

کتنے لوگ
اگر پہچاننے کا مرحلہ آئے
تو گونجے

نہیں تو
صفر

کہ یہ بھی لفظ ہے
واضح

نہیں ترسیل کا بھی مسئلہ
جو منفی اور مثبت
کائنات

وجود

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

پڑھو کے

سب پر محیط
 کہ یہ ہے ابتدا بھی انتہا بھی
 جزو کل بھی
 اور شامل بھی الگ بھی
 مگر کچھ بھی تو ہے صفر
 کہ بس یہ صفر ہے صفر
 ہے میرا نام کیا ؟
 اور میں ۔ ؟ ؟

پڑتوا کے

پڑتوا کے

پڑتوا کے

پڑتوا کے

پڑتوا کے

پڑتوا کے

پڑتوا کے



صفر میں

جگہ جگہ بچا ہوا
تڑپڑپا
درد پہلو میں

.....
کٹی پھٹی
بڑ بڑائی نیند
آنکھ میں

.....
رات
اپنی پلیدی آب و تاب کے ساتھ
آسن جائے
دولوں کے بیچ
اور نہیں کہیں کوئی
تو میں
صفر میں !



صفر شعور

ایک سورج
ایک چاند
اور اک چراغ
دوستی تینوں کی اندر
دشمنی باہر
ہوا کا ہے چراغ
چاند کا ہے دن
تو سورج رات کا
پرت اندر پرت
ہیں کیفیت کے سب اسیر
مضمل اور ناتواں
قوی امید کا ہے آسرا
میرا احساس اور تحت الشعور
لفظ لفظ راہیگاں
فقط حاوی
شعور صفر!



صفر رشتہ

ایک آہٹ
ایک دستک
ایک سایا
پھر کوئی جھونکا ہوا کا
دیکھنے والوں نے دیکھا
اور کیا کیا
میں نے تو محسوس کچھ ایسا کیا
رشتہ بے نام جیسا
اک کرشمہ ہے صفر کا۔



صفر معاملہ

زمین و آسمان میں
 فکر کا سنہرا جال
 خوفِ افق کی آنکھ
 دھوپ چھاؤں
 رات دن
 بازی گری کس کی
 سنس اداس
 غم ہے خوش
 کہ بحرِ فکر ہے استغاثہ
 چانتا ہوں
 چاہتا ہوں
 چاٹ لوں
 زبانِ ذائقہ کہے
 معاملہ ہے صفر کا



صفر کا دائرہ

دھواں اٹھا
 دھواں پھیلا
 دھواں تحلیل جب ہونے لگا
 تو کچھ لوگوں نے دیکھا
 ہوا پھر ایک وقفہ -
 بیاں جب ماجرہ ہونے لگا
 تو ہر اک شخص کی اپنی زباں تھی
 وہ جانے کیا تھا
 کوئی حادثہ تھا؟
 سانحہ تھا؟
 کوئی قصہ نہ جانو
 واقعہ تھا
 جو مجھ سے پوچھتے ہو تو
 بتاؤں؟
 کہ صفر کا وہ دائرہ تھا!



صفر ضد

صفر کے دھند لکوں میں
 کچھ نظر نہیں آتا
 سوچتا ہوں
 رات کو اجالوں
 اور دن سیاہیوں
 کچھ تو اپنے اندر ضد پیدا کروں
 چہرے لہجہ ڈالوں
 پرتیں تہہ وبالا کروں
 ایک ایک خط جوڑ کر
 واضح صورت بناؤں
 جسے میں خود دیکھ سکوں
 اور دکھاؤں !



صفر سایہ

سفر تھارات کا
تاریک لمحہ
مرے قدم کے برابر ایک سایہ

.....
کہ صدیوں بعد
سفر دن کا تھا
اور لمحے کئی روشن
وہی سایہ

کبھی چھوٹا
کبھی مجھ سے بڑا ہونے لگا

.....
کوئی گوشہ
کہیں گہرائیوں میں
روح کی لرزاں
سفر دن کا

سفر شب کا

مسئل

نامکمل

تجزیہ تھا جان لیوا

کہ ان کے درمیاں

کھڑا تھا

صفر کا سایہ

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے



صفر عکس

زمیں پر
 جیسے ہی پڑنے لگا
 یوں "صفر" کا عکس
 وہیں
 لہرا دے
 کچھ پھریرے روشنی کے
 فلک پر۔
 نکیلی! خاردار تیغزئی بنجر
 اب زمیں چاہے رہے
 یا نہ رہے
 مسافت میں رکاوٹ بھی نہیں
 یہاں تک۔
 مری حد نظر تک
 صفر کے عکس
 بکھر کر
 ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں!



صفر شب

رات کے پہاڑ پر چڑھنا
 بدن کا
 ایسا
 جیسے یگ کی بات
 کوئی انگلی پکڑے نہیں
 یگڑی خود تلاش میں ہے
 اگر تھیل مانع ہے
 تب
 سب کاوشیں صفر



انتشارِ صفر

شب تاب شبِ تاریک جنگل
 آس گامزن
 رجز آس پاس
 گہنائے مہر کی بیلا
 رو پہلی کا کل رنگ
 دادی خواب
 بیم منہ کھولے
 آشفۃ
 ناپائیدار اندیشے
 گمانِ دوہم
 یقین و سچ
 تکرار
 پھر
 انتشارِ صفر

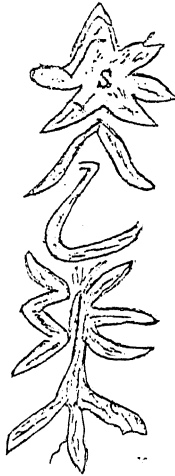


صفر صفر سلسلہ

صفر سے نکلا
 صفر میں پہنچا
 صفر سے باہر اگر میں آؤں
 تو سلسلہ ایک سلسلہ ہوں
 یہ سلسلہ جو ہے ایک دشمن
 وفا، محبت کا، دوستی کا
 مگر صفر دوست بھی نہیں ہے
 وجود ذات اور انا کا
 یہاں سلاسل
 وہاں سلاسل
 میں توڑ پاؤں کہاں سلاسل
 یہی ہے انجام
 بس ابھی ہے
 صفر صفر سلسلہ صفر ہے ۔

لکیریں

رنگ برنگی



Rehana





غزل

تجھ سے ملنے کے ہیں آج پل ریشمی
 کیا پتہ میرا ہو گا بھی کل ریشمی
 خط بدن کے تیرے سب نمایاں کروں
 کھینچوں تصویر ایسی سچل ریشمی
 تیرے رخسار ہیں دو بدو میرے جب
 کیوں نہ دل میں کھلیں پھر کنول ریشمی
 ذہن و دل پر ہے قبضہ مکمل تیرا
 خواب آتے بھی ہیں آج کل ریشمی
 تیرا غصہ ترا روٹھتا بھی غضب
 تیرے ماتھے کا ہر ایک بل ریشمی
 تیرے آنچل میں ساری تھکن دور ہو
 چھاؤں بھی ریشمی تیرے پھل ریشمی
 خبر ہجے کی میرے نہیں آج تو
 چار سو اس کے ہیں دل کے دل ریشمی
 یہ تسلیم ایک چہرہ کا احسان ہے
 ورنہ لکھی نہ میں نے غزل ریشمی



غزل

یہ راکھ کا ہے ڈھیر تو اس کو ہوانہ دے
 جو مجھ چمکا ہے اس کو شر کا پتہ نہ دے
 لب سی لیے ہیں اس سے تجھے گر سکوں ملے
 خاموش لب کو اور کوئی اب سزا نہ دے
 دل کے ورق ورق پہ ترے پیار کے دست
 تحریر جو کھلی ہے اسے یوں مٹا نہ دے
 تیرے بغیر زندگی مجھ سے وفا کرے!
 ایسی تو کم سے کم تو مجھے بددعا نہ دے
 آرام پائے گا نہ مری چھاؤں میں مگر
 بے برگ و گل سمجھ کے مجھے تو گرا نہ دے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

ساتھ تیرے جو گزارے تھے وہ پل محفوظ ہیں
 سطحِ دل پر کھلنے والے سب کنول محفوظ ہیں
 رُبت کے تیمور سے نہیں لرزاں یہ اوروں کی طرح
 یہ شجر وہ ہے کہ جس کے سارے پھل محفوظ ہیں
 جھونپڑی والوں کا کہنا وا جی لگتا تو ہے
 تم نہ اتراؤ تمہارے کیا محل محفوظ ہیں
 آج کو مٹھی میں کر لو بند مت سوچو کبھی
 آنے والی زندگی کے کل کے کل محفوظ ہیں
 یہ لہ پوچھو زندگی کیسے گزاری ہے سلیم
 کون اب گفتی کرے کہ کتنے پل محفوظ ہیں

○
غزل

رین بسیرا چڑیوں کا ہو
ایک درخت اپنا ایسا ہو

پت جھڑ ساون جو بھی آئے
ہر موسم میں وہ تنہا ہو

بھول ہوں دھانی پھل رس ولے
ہر کوئی اس کا رسیا ہو

مور بھی ناچے اس کے قریب اور
کول کوکے جب برکھا ہو

طوطا، مینا، کول، بکبل
ہر بیل نغمہ ہی نغمہ ہو

چھاؤں گھنی سورج پڑوے
دن گرمی کا بھی ٹھنڈا ہو



غزل

کوئی طوفان سمندر نہ اٹھانے دے گا
 اپنی سرحد میں ہواؤں کو نہ آنے دے گا
 تیرے اطراف ہیں ادبچی یہ فصلیں کیسی
 ایک اک کر کے انھیں کیا مجھے دھانے دے گا
 میری دہلیز پر یوں پھیل کے بیٹھایوں ہے
 درد کیا تو مجھے باہر نہیں جانے دے گا
 چھت یہ بوسیدہ ہے ٹوٹے گی کسی دن سر پر
 کون پھر اس کو بھلا ہاتھ لگانے دے گا
 یہ نہ سوچا تھا سر راہ ملیں گے اس سے
 وہ کھنڈر شکل ہمیں نقش پرانے دے گا
 اُس کو دیکھوں تو مرے دل میں یہ خواہش جاگے
 کیا دھنک رنگ کوئی رنگ چرانے دے گا
 دشت پھر دشت ہے کھیلے گا بگولوں سے سلیم
 مجھ کو لیکن نہ کبھی خاک اڑانے دے گا

غزل

اُس کے استقبال کو حاضر مری چو کھٹ ہے یہ
 جانتا ہوں دندناقی رات کی آہٹ ہے یہ
 دھوپ سے لبریز تھا جو جامِ خالی ہو گیا
 اب تمہارے سامنے بس ملکبجی تلچٹ ہے یہ
 سایا سایا چیختا ہے آدمی کوئی نہیں
 ہم خرابہ اس کو سمجھیں یا کوئی مرگھٹ ہے یہ
 تم اسے کچھ بھی کہو تیشہ ہے میرے ہاتھ میں
 دشت سے دریا اگلا کر رہوں گا ہٹ ہے یہ
 کیوں طنابیں کپنج دیں کیا تم کو یہ احساس ہے
 رت بدلنے کی جو ساعت ہے دی کروٹ ہے یہ
 کچھ تو آخر تو بتا تیرے بدن کو کیسا ہوا
 تان کر رکھی تھی چادر کیسی پھر سلوٹ ہے یہ
 جان لیوا ہے مگر سمجھاؤں دل کو کس طرح
 دیکھنا قطرہ میں دریا ایک ہی بس رٹ ہے یہ
 پیاس درک و فہم کی کس واسطے! او یہاں
 مشکیاں لے جاؤ بھر کے علم کا پنکھٹ ہے یہ
 جھوٹ کہتے ہوز میں پہلے جو تھی سواب بھی ہے
 زلزلہ آیا نہیں تو کیسی پھر سلوٹ ہے یہ
 دل کا چہرہ صاف آتا ہے نظر اس میں سلیم
 آنکھ کا گھونگھٹ بھی کوئی دوستو گھونگھٹ ہے یہ

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

تھیلی بیج نا پے تھیلی بیج تو لے
 شجر اپنی زمیں کا کہاں پھر راز کھولے
 صدا یک لخت ابھرے صدا پھر کان کترے
 زباں تر دید کی اب یہاں کوئی نہ بولے
 پیرت دھرتی کی کٹ کر بدل دیتی ہے ہیت
 مگر یہ آدمی تو ذرا سا بھی نہ ڈولے
 ہوا ٹھنڈک نہ اگلے نہ بادل برف پھینکے
 چتا کے زخم سالم نہ سورج کے بھیچولے
 نہ ہے بستر ہی زر کا نہ زیور کی دلائی
 تو سرگھٹنوں میں رکھ کر تسلی ہی کو سولے
 لٹکتی تھیلیوں میں کئی سر منتظر ہیں
 کہ شاید ہاتھ کوئی سلیم ان کو ٹولے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے



غزل

ہے جن میں یہاں جتنا بھی دم بول رہے ہیں
 گونگے ہی نہیں بلکہ صنم بول رہے ہیں
 یہ رات کی آہٹ نہ ہو یہ میرا گماں ہو
 سناٹے میں یہ کس کے قدم بول رہے ہیں
 پشتارہ اٹھائے ہوئے یادوں کے چلے ہم
 بے رخت ہیں رکھنے کو بھرم بول رہے ہیں
 کیا ہم کو جدا ہو کے زما نہ نہیں گزرا
 پھر کیوں یہ گماں ہے تمہیں ہم بول رہے ہیں
 الفاظ کے تم ایسے حصاروں میں گھرے ہو
 کچھ سوچ ہے کچھ اور قلم بول رہے ہیں



غزل

یاد ہے آج تلک زہر کا ساغر رکھنا
 میرے ہونٹوں پہ میری پیاس کا خنجر رکھنا
 کرچیاں جان بھی لے سکتی ہیں غفلت ہو تو
 کاچ کی آنکھ میں کوئی بھی نہ منظر رکھنا
 دوستی کا یہ تقاضا بھی تو ہو سکتا ہے
 اس کا دانہ میری راہ میں پتھر رکھنا
 جانے کس موڑ پہ احساس ہو خالی پن کا
 اپنی جھولی میں گہرا ایک چھپا کر رکھنا
 اے خدا ہجر کا موسم نہ پلٹ کر آئے
 میں جہاں جاؤں مرے ساتھ مرا گھر رکھنا
 کون سے ملک کی لائے وہ خبر کیا معلوم
 سوچ کی ڈال پہ کوئی تو کبوتر رکھنا
 لاکھ اگلے کوئی رت زہر ہلاہل لیکن
 دھوپ چھاؤں کا سفر اپنے ہی اندر رکھنا
 میرا انداز بیاں اور نہیں تو نہ سہی
 میرے مالک تو مجھے پھر بھی سخنور رکھنا



غزل

بھروسہ کر کے پچھتائے نہ جانے کتنے ساون پر
 نظر ڈالو ذرا تم ہی ہمارے خشک آئین پر
 سمجھ کر سوچ کر اطراف اپنے آگ دہکانا
 شرارہ جان لیوا کوئی آجائے نہ دامن پر
 لپٹے ہیں جو خوشبو سے بھلے معلوم ہوتے ہیں
 مگر کچھ اور ہی دیکھا نظر ڈالی جو چندن پر
 ہمارے درمیاں سے حادثے گزرے کئی لیکن
 نظر کی گرد میری آج تک ہے تیری چلمن پر
 یہ گھر کھنڈ ہر سہی لیکن بظاہر گھر ہی لگنے دو
 بہت کچھ منحصر ہے سامنے کے رنگ و روغن پر
 نمائش پر تری مریجاؤں میں لیکن پس پردہ
 دمکنی رات بیٹھی ہے تیرے پازیب و نگن پر

(ہندی لفظ ہے اور اس کا تلفظ "کھنڈر" ہے لیکن اردو میں "کھنڈر" مستعمل ہے۔)

ۛ کھنڈر

○

غزل

رنگ و شکل و روپ کے ہیں مختلف چہرے یہاں
ہاتھ کی ریکھائیں دیتی ہیں مگر پہرے یہاں
ٹوٹتے ہی جا رہے ہیں کاپڑ کے برتن مگر
کرچیوں کے زخم ہوتے ہی نہیں گہرے یہاں
وادیلوں آبادیوں سے آرہی ہے اک صدا
میں ہوں زندہ اور کوئی بھی نہیں ٹھہرے یہاں
چرخ اندر کی ہو یا باہر کی حاصل کچھ نہیں
سب کے سب لگتا ہے مادرِ زاد ہیں بہرے یہاں
سات رنگوں کی کمائیں رقص میں تھیں اس طرف
زرد پھولوں کے لگتے تھے مگر سہرے یہاں

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے



غزل

تجھ کو اس بات کا شاید نہیں کچھ اندازہ
 تجھ سے وابستہ ہر اک زخم ہے اب تک تازہ
 پیچیدہ وقت نے اس طرح دلو چا ہم کو
 قرض تیرا ہے یا میرا ہے مگر خمیازہ
 بعد مدت کے ملاقات ہوئی جب تجھ سے
 کچے دھاگے کی پکڑ کا بھی ہوا اندازہ
 ایک لمحہ بھی بدل جاتا ہے صدیوں میں کبھی
 رچ گیا بس گیا وہ پھول ہو جیسے تازہ
 رہ چکی تھی کبھی تو بھی مرے شعروں کی کتاب
 یہ الگ بات ہے وہ رہ گئی بے شیرازہ
 کام معمولی سی دستک نے سلیم ایسا کیا
 کھول کے رکھ دیا ماضی کا حسین دروازہ

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

غزل

بارش ہوں میں بھی وقت اگر اک چٹان ہے
 اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ مہان ہے
 طوفاں کا زور بیچ سمندر، بھنور قریب
 ایسے میں وقت تھامے ہوئے بادبان ہے
 دریا بدل کے رخ کہیں آتا ہے اس طرف
 صحرا کی پیاس کا بھی عجب یہ گمان ہے
 میں پھیل کر غبار کی صورت تو اٹھ گیا
 اب ڈھونڈتا ہوں صفت کہاں آسمان ہے
 بس اور فاصلے تو سبھی ختم ہو گئے
 کالی ہوا کی آنکھ نقطہ درمیان ہے
 کیا سخت ہو گیا تھا مرے ہاتھ میں سلیم
 وہ پھول ثبت جس کا ابھی تک نشان ہے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے



غزل

سوچ کے اولے گرتے ہیں اور سر کی نس نس بھٹتی ہے
 کیسا موسم آیا ہے ہر سانس کی طاقت گھٹتی ہے
 ہاں، تو نے تو خوب بنجھایا رشتہ لیکن کیا کیجے
 دونوں چھوڑ ملانے والی ڈوری خود ہی کٹتی ہے
 پاپ ہے ایسے شہر میں رہنا جس نے دل کو مار دیا
 میرے اندر بیٹھی مینا کیوں یہ فقرہ رٹتی ہے
 تو کیوں گھبراتا ہے تیری حالت پر جو ہنستے ہیں
 وہ کیا جانیں جیون پستک دھصول میں بٹی ہے
 دور کی روشن دنیا سے تو اچھا دل کا اندھیا را
 وہ تو جب بھی ہاتھ بڑھاتا ہوں میں پیچھے ہٹتی ہے

پڑھو اسکے

پڑھو اسکے

پڑھو اسکے

پڑھو اسکے

پڑھو اسکے

پڑھو اسکے

پڑھو اسکے

پڑھو اسکے

غزل

کیا بنا کے رکھ دیا ہے دیدنی منظر مرا
 تجھ سے ملنا تھا کہ بس چرچا ہوا گھر گھر مرا
 آئینوں میں عکس کوئی اور ہی مجھ کو لگے
 کون سیچھا کر رہا ہے اس طرح چھپ کر مرا
 گھر کا نقشہ بن نہ پایا تھا کہ ہلچل ہو گئی
 کون جانے کب کہاں کیسا بنے گا گھر مرا
 کتنے زہر آلود خنجر کر کے پیوست آپ میں
 خوش ہوئی میری انا اونچا ہوا ہے سر مرا
 کیوں نہ اس میں ڈوب جاؤں آج میں پوری طرح
 باہنیں پھیلائے کھڑا ہے سامنے ساغر مرا
 ہوش میں آؤں گا جس دن گھر بلا لوں گا تجھے
 کون کہتا ہے شب ہجر ال کھلا ہے در مرا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

اک ایسی بچ میں دیوار میں اٹھا دوں گا
 بڑے سکون سے ماضی تجھے بھلا دوں گا
 وہ ایک شخص کہ جو ہے عزیز تر جاں سے
 اسے ہی اپنا میں قاتل کبھی بنا دوں گا
 نہیں فریب کی منزل سراب آسا بھی
 میں ریگ زار میں چشمہ ہوں یہ بتا دوں گا
 ہوا کے دوش پہ پتہ نکل گیا ناداں
 کوئی جو پوچھے تو اس کا میں کیا بتا دوں گا
 نہ جانے کون سی منزل ہے کیسا رشتہ ہے
 سفر کے نام پہ میں صرف مسکرا دوں گا
 مسیح وقت نہیں کوئی چارہ گر بھی نہیں
 سکیم تجھ کو بھلا کیا میں بد دعا دوں گا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

غزل

کہاں کی حس کہ بدن ریت کے حصار میں تھا
 سراب تک نہ جہاں ایسے ریگ زار میں تھا
 ملا جو تجھ سے تو آگے نہ بڑھ سکا ورنہ
 پڑاؤ ڈالنا کب مجھ کو اس دیا میں تھا
 یہ سوچ کیسے بھلا روشنی سے ملتا تو
 کرن کا راستہ کوئی نہ تیرے غار میں تھا
 یہ مانا پھول کئی رنگ و بو کے لائے تھے
 گلاب کوئی مگر کیا تمہارے ہار میں تھا
 حدوں میں دشت کی میرا سفر نہ تھا پھر بھی
 بدن تمام ہی لپٹا ہوا غبار میں تھا
 زمیں کا نام و نشان تک نہ جو بتائے کبھی
 مرا سفینہ اسی بحر بے کنار میں تھا
 اُسے جگانے کی خاطر ہی تار چھیڑے تھے
 وہ ایک گیت جو سو بیا ہوا ستار میں تھا
 لگا کہ تجھ کو ہر اک شخص جانتا ہے سلیم
 گو نام تیرا کسی بھی نہ اشتہار میں تھا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

خزاں گزیدہ زمیں ہوں تو مجھ کو کیا دے گا
 ترا گمان ہے تو اک شجر ہر دے گا
 نہ میرے ساتھ چلو میرا ولولہ ہے الگ
 سفر کے بعد بھی وہ اک سفر نیا دے گا
 ذرا سی تیز کرو آپنچ اپنی یادوں کی
 فراق و ہجر کا ایک ایک پل مزادے گا
 بھنور بھنور تو سمن در مگر میری ضد ہے
 میں ڈوب جاؤں اگر پار تو لگا دے گا
 یہ سب زرت نہ سہی منتظر ہوں میں پھر بھی
 کوئی تو آ کے مجھے نقش اک ہر دے گا
 حسین چہرے پہ نظریں سلیم ٹھہراؤ
 خیال و فکر کو وہ ریشمی قبا دے گا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

شب شکستہ چراغ بھی گل
 کھنڈرِ نظارہ ہے رنگ کا گل
 ہجومِ زارِغ اب یہاں وہاں ہے
 چمک رہے ہیں کہاں پہ بلبل
 زبانِ گنگ اب صدا صدادے
 کہ تو بھی ویا گل ہے میں بھی ویا گل
 تو وہ کنارہ میں یہ کنارہ
 نہیں کوئی درمیان میں پُل
 ترنگِ نغمہ مٹھاس بولی
 کوئی نہ جانے کہ نے میں ہے غل



غزل

دن ڈھلتے ہی ایک پرندہ ڈھونڈے زین پیرا
 حالانکہ اس کے رستے میں ہے اک سیڑ گھبرا
 کب سے دریا خشک پڑا ہے پھر بھی ضدیر دیکھو
 جال بچھائے آس لگائے بیٹھے روز مجھیرا
 جانے کس ناگن کی کھوج میں نکلا تھا دگر ہے
 جنگل جنگل گھوم کے بھی ہے خالی ہاتھ پیرا
 ہم بھی کاش بسا لیتے گھر یا کسی بستی میں
 ہر سو ریت یہاں ہے یا رودھنس چائے نڈیرا
 شب کے صحرائی کی چالوں کا بھرپور متا شا
 دورانق پر بیٹھا دیکھے ہے خاموش سویرا
 اک جا بیٹھ سلیم اب اللہ اللہ جیتے جاؤ
 اب تک تم نے خوب لگایا جوگی والا پھیرا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

کشتی کو بھروسے پہ ہوا کے میں بہاؤں
 گمنام سمندر کے مزے لوٹ کے آؤں
 کھینچی تھیں کبھی سبز لکیریں مرے اندر
 وہ کون سا موسم تھا تمہیں کیسے بتاؤں
 آئینہ کوئی توڑ کر اپنا ہی گیا ہے
 ہیں عکس کئی کون سا ٹکڑا میں دکھاؤں
 صحرا ہوں مری پیاس بجھائے کا بھلا کون
 بادل تو اگر ہے تو میں سینے سے لگاؤں
 شفاف نظر آنے لگے آنکھ کے شیشے
 جی چاہے ذرا آج یہاں گرد اٹاؤں
 اب ملنے ملانے کا ہی جھگڑا نہ رہے کچھ
 دیوار کوئی بیچ سلیم اپنے اٹھاؤں

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

غزل

پتے ہوئے صحرا پہ جو برسے وہ گھٹا دے
یا پھر کسی دریا ہی کو تو اس کا پتا دے
جس اور نظر ڈالو وہی زرد لہا دے
منظر کوئی آنکھوں کو مری اب تو ہرا دے
صحرائے لق و دق کی یہ چنگھاڑ ہے شاید
معلوم نہیں اس کے بھلا کیا ہیں ارادے
بھولے سے بھی دہلیز پہ رکھتے قدم رات
ہے ایک بھی بتی تو سرشام جلا دے
کیا اور سمائیں گے پرندا اپنی نظر میں
دینا ہے تو ہم جیسوں کو شاہین دکھا دے
صدیوں کا سفر دھوپ کی چادر کے تلے ہے
اُنے کاش یہ پھٹ جائے کوئی ایسی دعا دے
پتھر کے صنم کی یہاں کرتے نہیں پوجا
بت گراں نہیں دینا ہو تو سونے کے خدا دے
اس صحن گلستاں کو ہوا صاف ذرا کر
جتنے ہیں یہاں پر خس و خاشاک اڑا دے

غزل

ہتھیلی کی لکیروں میں عجب اک آس چہرہ تھا
 کہ جب دیکھوں نیا اک روپ میرا وہ دکھاتا تھا
 نہیں معلوم اب وہ کون سا آئینہ خانہ تھا
 جنوں میں ایک دن میں نے جہاں تپہرا چھالا تھا
 سمندر میں ارادوں کے میں کشتی چھوڑ دیتا تھا
 عجب دن تھے وہ میرے جب ہواؤں کا نہ پہرا تھا
 طنائیں یوں اکھڑ جائیں گی موسم کے بدلتے ہی
 پڑاؤ ڈالنے والے کبھی کیا تو نے سوچا تھا
 یہاں کی بتیاں گل ہو گئیں ساری تو یہ جانا
 اندھیرا بے ضرر ہے خاص قاتل تو اجالا تھا
 کھنڈ رہے آج لیکن روشنی تقسیم کرتا ہے
 تنہا سے چور سورج کا یہ دل بھی شب بسر تھا
 اٹل ہے یہ نظام کائنات اپنی جگہ اسے دوست
 مگر سورج پلٹ آیا تھا کس کا وہ اشارہ تھا
 سلیم اپنی ہوا سے ٹھن گئی تھی اور ایسے میں
 بھنور تھا اس طرف اور اس طرف میرا سفینہ تھا



غزل

کلیجہ اس شجر کا کبھی تو منہ کو آئے
 سحاب اس رہ گزر سے کبھی غالی تو جائے
 ہوا کیا مانگ بھرتی زمین بے نوا کی
 گزرتے ہیں یہاں سے فقط ذی روح سائے
 الگ تھی راہ میری الگ تھی دادی گل
 ز بس اک فصل ماتم جدائی خار کھائے
 زبان سرخ پیکے جہاں دو بوند ٹپکے
 کوئی آبی بدن کا ذرا شیشہ دکھائے
 عمارت کا غدی ہے نظر میں شش بہت ہیں
 ملیں کو ہے تل خدا اس کو بچائے
 نہ لفظوں کو مڑو نہ بحروں ہی سے کھلو
 غزل سانچے میں رکھو معانی کو چھپائے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

صرف جھولی تہی بھرنے کا، ہانا ہے مجھے
 کیا صدف کیسے گہریہ نہ دکھانا ہے مجھے
 کیا ضروری ہے کہ شاخیں ہوں گھیری سب کی
 شب بسر کے لیے کافی یہ ٹھکانا ہے مجھے
 بے ارادہ ہی سفر ہے کہ دشا کیوں دیکھوں
 یاد باں ایک نہ اک دن تو گرانا ہے مجھے
 آسمان سر پہ جو دیکھو تو مزہ آ جائے
 آج کچھ ایسے دھنک رنگ اڑانا ہے مجھے
 بھول کر بھی نہ کہانی تری لب پر آئے
 جو کھنڈر شکل ہے گرد اس کو بنانا ہے مجھے
 سبزہ زاروں کی کرے سیر بھلا کون سلیم
 درو دیوار کا سبزہ ہی سہانا ہے مجھے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

راکھ کیا بتائے آپنچ آگ کی
بات کر کبھی نہ اپنے تیاگ کی

دودھ آج کل پلا رہا ہوں میں
جاننا ہوں خصلتیں بھی ناگ کی

ساتھ ساتھ تیرے میرا ہے وجود
بات یہ نہیں ہے کوئی لاگ کی

روٹیاں نہ ڈال میرے سامنے
یہ نہ میرے کام کی نہ بھاگ کی

بس میں کر سکے مجھے سلیم جو
ہے امید خام ایسی باگ کی



غزل

موسم کی ہر اک کاٹ سے گھبرانے لگا ہے
 یہ سنگ جو لوگوں کے لیے راہ نما ہے
 پانی کا بدن چیر کے جا کچھ تو ملے گا
 ساحل پہ کھڑا ہو کے تو کیا سوچ رہا ہے
 سورج ہیں کئی سر پہ تیرے اس کا یقین کر
 مت سوچ تو راتوں کے حصاروں میں گھر ہے
 خود تجھ سے الگ ہے تری آواز کا چہرہ
 فیتے کا کرشمہ ہے بڑا تو جو بنا ہے
 ہلچل کے بنا تم کو پتہ کیسے چلے گا
 مضبوط ہے قلعہ کہ گھر وندا ہے یہ کیا ہے
 کہنے کو شجر بھول و ثمر سے تولدے ہیں
 خائف بھی ہیں اندر سے یہاں تیرا ہوا ہے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

ریزہ ریزہ ہو رہا تھا جب زمانے کا ضمیر
آئینہ اک ایسا اترا نور تھا جس کا خمیر

خوف کی تختی پہ اپنا نام پہلے لکھ دیا
بکھنچ دی پھر اس کے اوپر روشنی کی اک لکیر

ایک تحفہ خوشبوؤں کا دیکھے مجھ کو چل دیا
اب نہیں کچھ یاد وہ تھا کون سی رت کا بغیر

اس چین کے پھول سارے کیا میری میراث ہیں
سوچتا ہے رنگ دلو کے دائرے کا اک اسیر

پوچھتا ہے شہر کا سناٹا تجھ سے اے سلیم
کیوں چھپا رکھے ہیں اپنی چیخ کے زکشت میں تیر



غزل

کاخ کا سورج جو ٹہرا آگ بر سائے گا کیا
 سامنے اس کے کھڑا ہوں مجھ کو گھلائے گا کیا
 کیوں پروئے پھول اس موسم کے میرے ہار میں
 آنے والی رُت کے پھولوں کا مزہ آئے گا کیا
 مکڑیوں نے بن لیے جالے یہاں پر ہر جگہ
 مبرا گھر میرا نہیں اب تم کو ٹھراؤں گا کیا
 پُلِ ضروری ہے کنارے دو ملانے کے لیے
 بوجھ وہ نازک کسی لمحہ کا سہہ پاؤں گا کیا
 سوچ کر یہ میں نے اپنے گھر میں رکھا ہی نہیں
 آئینہ مجھ کو ہی میری شکل دکھلائے گا کیا
 اک جزیرہ ہے سمندر میں تِنِ تنہا سلیم
 یہ زمیں کی وسعتیں بوجھوں تو تباؤں گا کیا



غزل

کچھ سامنے رکھے ہوئے مٹی کے گھڑے ہیں
توڑوں کہ نہ توڑوں یہاں پتھر بھی پڑے ہیں

یہ کیسا اتر آیا ہے موسم مرے گھر میں
آنگن میں ادا سی لیے کچھ پیڑ کھڑے ہیں

بھونچال یہاں آیا تھا بس اتنا بتانے
نایاب دھینے بھی یہاں کب سے پڑے ہیں

کاندھوں پہ بٹھایا تو سمجھنے لگے بچے
اب پوچھنا کیا ہم تو بڑوں سے بھی بڑے ہیں

آواز تری اب تو ہمیشہ ہی سنوں گا
اس فیتے میں انمول ترے بول جڑے ہیں

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

کالا سورج دیکھ کے بچھی چلے گھونسلے اور
بھور بھٹے ہے سانجھ کی بیلا بسی کیسی بھور

ان دیکھی انجانی رت کی چھائی گھٹا گھٹا گھونگر
بے سوچے سمجھے ہی جھوٹے ناچے من کا مورا

سونی رات کے آنگن میں ہے سناٹے کا زور
ایسے میں پھر کون مچائے میرے اندر شور

تیری یادوں کے گہنے تھے اب تک میرے پاس
کسے پتہ تھا اس گھر میں بھی گھس آئے گا چور

پیار کا مانجھا دے کر اس کو باندھا تیرا دل
پھر کیوں ٹوٹی؟ ہم سمجھے تھے ٹوٹے گی نہ دور

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

غزل

راستے اس شہر کے ہیں کیسے بل کھائے ہوئے
 پھر بھی ہم کو دیکھے ان کو ہیں اپنائے ہوئے
 کھیل نازک ہے بہت تم سوچ کر رکھنا قدم
 کا پرخ کے سپنے وہ آنکھوں میں ہیں بکھرائے ہوئے
 رات کی وادی میں اترا تو نظر آیا مجھے
 روشنی کا ایک سایہ ہاتھ پھیلائے ہوئے
 تیرے چہرے کے ہر اک خط کو دکھا سکتا ہوں ہیں
 گو مری دیوار کے شیشے ہیں دھندلائے ہوئے
 کیوں رکھے ہیں طاق میں گلدان کے ٹکڑے ابھی
 پھینک دو جس طرح پھینکے پھول مچھائے ہوئے
 آنکھ ہے گرداب کی اب تک ہمارے سامنے
 یوں تو ساحل پر زمانہ ہو گیا آگے ہوئے
 ہم نے یہ ماننا گویا بھی اٹھیں گے دشت میں
 ہم بھی لیکن آج بادل بن کے ہیں چھائے ہوئے
 بیڑیہ تو پھول پھل والے نہیں پھر کیوں سلیم
 ہیں ہوا کی چال سے اس طرح گھبرائے ہوئے



غزل

اب تک تم نے خوب اڑائی ہے اپنے جہوں کی خاک
 آج گھٹا بن جاؤ کھل کر برسو کر دو دھرتی پاک
 شب جھلکی میں رہ کر اپنی آنکھیں کیوں چمکاتے ہو
 سورج سے بھی آنکھ ملاؤ تو میں جانوں ہو بے باک
 اک بادل ہے جس کے قبضہ میں ہے دھرتی کی دولت
 اور اک صحرا، ریت، بگولے پیاس نقطہ اس کی املاک
 گھوڑا ندھیری رات کی چادر آؤ مل کر کھینچیں ہم
 کیا جانے اس تے بھی اندر پہنی ہوا جلی پوشاک
 ایک یہی تو سرمایہ ہے جس پہ وہ کرتا ہے ناز
 کیا گزرے گی کوڑھ گرہ مت توڑو تم اس کا چاک
 پتھر کا ٹٹوں پر چل کر بھی آئیں گے ہم تیرے پاس
 پروا کیا ہے ہوتے ہیں تو ہو جانے دو تیرے پاک

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

پتنگ اپنی تلک پر دیکھ کر ہر کوئی نازاں ہے
 دعا موسم کو دینا چاہیے یہ اس کا احساں ہے
 صدق صورت نظر آتے ہیں چہرے تو بہت لیکن
 نہیں معلوم کہ انمول موتی کس میں پنہاں ہے
 یہ مانا زرد پتے شاخ سے اب تک لٹکتے ہیں
 مگر انجام سے واقف ہر اک اندر سے لرزاں ہے
 اگر ڈھ جائے بھی میری عمارت مجھ کو کیا پرواہ
 کہ بلے سے کبھی تو آئے گا باہر جو ساماں ہے
 خرابے سے چلا تھا شہر سے آگے نکل آیا
 بہت لمبی کہانی ہے مگر اک صفر عنوان ہے
 سمجھ کر تم سمندر میں اتار دو اپنی کشتی کو
 ہوا خاموش ہے اس کی مگر مٹھی میں طوفاں ہے
 اچھا لو سنگ تم اپنے ہی سر پر اپنے ہاتھوں سے
 ہے جتنا کھیل یہ مشکل سلیم اتنا ہی آساں ہے

غزل

گھپ اندھیرے راستوں میں ڈھونڈتے دیک گیا
 اس لگن میں میں کہاں تک اور کس حد تک گیا
 چار سو تھی گرد اس میں دوش تیرا بھی نہ تھا
 جس جگہ جانا نہ تھا خود میں وہاں بے شک گیا
 میں تھا میری تھی مسافت دشت کی لیکن صحاب
 تجھ کو یہ کیا ہو گیا تو دے کے کیوں دستک گیا
 ریت دل تھا اور بدن تھا برف تپھر آنکھ تھی
 وقت اس حالت میں لے کر کیوں ترے دستک گیا
 پڑھنے میں یہاں پر سب شرد رہیں مگر
 اس سمئے میری نظر اس پھل پہ رہے جو پک گیا
 روح کے اک اک ورق کا عکس لگتا ہے مجھے
 سامنے وہ رکھ کے میرے کیسی یہ پستک گیا
 کس سے پوچھیں ہم یہاں کوئی نہیں جو دے جواب
 روشنی گل ہو گئی یا آنکھ کا دیپک گیا
 یہ تناور پڑ بھی کیا کھوکھلا ہو جائے گا
 سوچتا ہوں جب سے اندر کا میرے بالک گیا
 ہے اٹل ہر اک چٹان اپنی جگہ پر اے سلیم
 لیتے لیتے کروٹیں لاوا بھی اندر تنک گیا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

ڈوبتا سورج دکھا کر کیا ہمیں منظر گیا
 روشنی کی کھڑکیاں ہی بند جیسے کر گیا
 اب کہاں جائیں کدھر جائیں ارادہ کیا کریں
 جو پتہ منزل کا دیتا تھا وہی پتھر گیا
 کیا پتہ یہ اس قدر ویران ہے کسان ہے
 آنکھ کے صحرائیں رکھتے ہی قدم وہ ڈر گیا
 گھپ اندھیرا تھا دشائیں گم تعین جانے کون پھر
 روشنی کی ایک ریکھا بچھ کر اندر گیا
 یہ مری تصویر ہے ہر خط نمایاں ہے مگر
 رنگ بھرنے والا اس میں رنگ تیرا بھر گیا
 کچھ نظر آتا نہیں کس سمت کیا ہے اب سلیم
 دھول کیسی یہ اڑا کر خوف کا لشکر گیا



غزل

خالی خالی ذہن کی جھولی ایک نہاس میں موتی ہے
 کیا لکھوں کیا تم کو سناؤں نکر کی دیوی سوتی ہے
 سدرت مانے پگ میں دیکھو کیسی ڈور یہ باندھی ہے
 جیسا ناپچ نچائے ناچو در نہ پیری ہوتی ہے
 آشنا کے منجھدھار میں ہم نے دل کی ناؤ اتاری ہے
 دیکھیں پار لگاتی ہے کہ قسمت اسے ڈبوتی ہے
 بھولی بسری یادوں کے آئین میں پاؤں رکھتے ہی
 تیری صورت بکھرے موتی اک دھاگے میں پروتی ہے
 نینن بان کو دل پہ لے لے گھائل ہو جانت گھبرا
 چڑھتا سورج ڈھل جائے گا کیوں یہ گھڑیاں کھوتی ہے
 دھن کی لالچ میں تو پگلا دیس عرب میں جا بیٹھا
 عید و خوشی کے موقع پر برہن چپ بیٹھی روتی ہے



غزل

روح کی تسکین ہو یا جان کا آزار ہو
 بند مٹھی میں نہ جانے پھول ہو یا خار ہو
 سایہ دیوار ہے لیکن نہ ٹھروں گا یہاں
 کیا بھروسہ یہ بھی کوئی ریت کی دیوار ہو
 چاندنی راتوں میں بھی صحرَا کا چہرہ دیکھ لو
 جانے کتنے سوچوں کا سر پہ اس کے بار ہو
 دے رہا ہوں آج میں ترتیب جن ادراک کو
 کیا عجب وہ آنے والے دور کا اخبار ہو
 روشنی کے نام سے تو مسکرا دیتا ہے کیوں
 یہ تو اس کا کام ہے جو صبح کا بیمار ہو
 ایسا پر ریت جس کی عظمت اس کی چوٹی ہو تو ہو
 میرے دکھ کس کام کا جس میں نہ کوئی غار ہو
 پانیوں کی چاہ میں جانے کہاں تک آگے
 اب سلیم اپنی دعائیں یہ ہے بڑا بار ہو



غزل

چھپی ہیں کرچیاں بھی کا پنچ کے کھلونے میں
 یہ سوچ کر ہی اسے دکھ دیا ہے کونے میں
 ہوا چلے گی تو ہر سمت بھیل جاؤں گا
 اگرچہ ڈھیر ہوں مٹی کا ایک کونے میں
 یہ جان لو کہ سمندر کی تہ میں کیا تھے ہے
 مزہ ملے گا تمہیں کشتیاں ڈبوئے میں
 ہٹا کے چہرے سے گرد و غبار کیا کیجے
 ہے تیرے شہر کی رسوائی ان کے دھونے میں
 مرے وجود کا پتھر رہے گا کیا سالم
 بچا ہی کیا ہے کھنڈر کے غبار ہونے میں
 سلیم جھولی میں موتی ہیں کتنی راتوں کے
 بکھر نہ جائیں کرن در کرن پر رونے میں



غزل

تم بھی چپ اور ہم خاموش
جانے اس میں کس کا دوش

پلکیں اپنی بھیگ گئیں
خالی ہے اب دل کا کوش

لوگ ہیں سارے ایک سماں
دنیا میں کس کو سنتوش

ہر چہرے پہ معصومی!
کس کو ہم کہتے نردوش

دل جو میرا بدلے تو
دھارن کر لوں اچلے پوش

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

پی یے میں نے سمندر کتنے
 پھر بھی صحرا مرے اندر کتنے
 وہ فقط میری انا ہی تو تھی
 گھر پہ آئے مرے پتھر کتنے
 ایک ہی رنگ دکھایا تھا ابھی
 رنگ ابھرے پس منظر کتنے
 جھک کے ملتے ہوئے پستہ قد سے
 ہم نے دیکھے ہیں قد آور کتنے
 نقش میرا نہ کوئی بن پایا
 یوں تراشے گئے پتھر کتنے
 لوگ کہتے ہیں مگر سوچ سلیم
 دشت کے ہیں یہاں خوگر کتنے



غزل

منظروں کا یہ نگر دیکھو دھواں ہونے لگا
 ڈوبتی آنکھوں کا ساگر بیکراں ہونے لگا
 جان لیوا تھا پرانی داستاں کا ہر ورق
 تجھ سے مل کر مندمل ہر اک نشاں ہونے لگا
 چلچلاتی دھوپ اندر جب مزہ دینے لگی
 قطرہ قطرہ پر سمندر کا گماں ہونے لگا
 ایک ذرہ ریت اور پھر ریت سے بن کر غبار
 اس طرح پھیلا کہ سر پر آسماں ہونے لگا
 کیا سمجھ کر پہلے مجھ کو غرق کرنے پر تلا
 وقت میری ناؤ کا بھر بادباں ہونے لگا
 رقص میں رنگوں کا موسم اور میں چپ چاپ سا
 کیا بتاؤں کیا تماشا درمیاں ہونے لگا
 دشتِ شب کا یہ سفر مجھ میں اُتر آیا سلیم
 سایا سایا ساعتوں کا بے اماں ہونے لگا



غزل

نہ کوئی ڈر نہ اب کوئی خطر ہے
 بڑا ہی مشکلوں کا یہ سفر ہے
 لبالب ہے لہو کا تیز دریا
 سمندر کی طرف شاید نظر ہے
 نہ رو کو ان امڈتے بادلوں کو
 کوئی پیا سا کوئی سوکھا شجر ہے
 سمجھتے تھے جسے سب کا میجا
 یہی وہ شخص ہے جو دار پر ہے
 یونہی بس کھیلنے تھے تیغروں سے
 خبر کیا تھی یہاں شیشے کا گھر ہے
 سبھی اس دور میں گم ہو گئے ہیں
 کسی کو بھی کہاں اپنی خبر ہے؟
 ستیم اپنا کہاں کوئی بسیرا؟
 نگر یہ آج تو کل وہ نگر ہے



غزل

وہ شخص مقابل مرے آگے جو کھڑا ہے
جو ساتھ مرے جی کے مرام کے جیا ہے

تخیرِ بلا کی ہے غضب اس میں لکھا ہے
بوسیدہ ورق مجھ کو جو رستہ میں ملا ہے

دامن پہ گرے خون کے چھینٹے تو لگایوں
جیسے کوئی گردن پہ مری بیٹھ گیا ہے

یہ وقت ہے اس وقت کے ہاتھوں سے کیا کون
کہنے کو ابھی وقت سے تو کھیل رہا ہے

مٹنے کو تو مسط جاتا ہے ہر نقش یہاں پر
لیکن ترے مٹنے کا بھی انداز جدا ہے

○ غزل

چہرہ چہرہ ڈوبتا سورج دو پہری کی بات کہاں
ہر دل میں اندھیا را چھائے پونہم کی وہ رات کہاں

جھوٹی رونق اوڑھ کے نکلے سب اندر خالی خالی
جسموں کو دبھو تو کھنڈر ہیں وہ مستوں کی ذات کہاں

لوگوں کا سیلاب ہے لیکن جان نہیں ہے شہروں میں
کہنے کو سب ساتھ ہیں لیکن پھر بھی کوئی ساتھ کہاں

آشاؤں کے درین درین چھوٹ گئے ان ہاتھوں سے
ہریل بوجھ نرا شاؤں کا تھا میں ایسے ہاتھ کہاں

چاروں اور اندھیرا گھپ ہے کون پتہ دے سمتوں کا
سب کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں پھوٹے گی پر بھات کہاں



غزل

صحرا مرے اندر یہ اتر آیا کدھر سے
بادل کوئی چپکے سے گزر جائے نہ مر سے

مانا کہ ابھی آنکھ ملاتے ہو بھنور سے
کشتی بھی ذرا دیکھ لو تم میری نظر سے

پوچھو نہ مرا حال فقط دیکھ لو اتنا
چہرے پہ جی گرد میں لایا ہوں سفر سے

در آئی صدا مجھ میں شکستہ کسی پل کی
حالانکہ نہ رشتہ ہے کوئی میرا کھنڈر سے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

کم ہے دیوار کا سیا
 توبے کا ریشہاں پر آیا
 پیسہ پیسہ تو چٹایا
 کچھ بھی تیرے ہاتھ نہ آیا
 بھوک کی منگی راج سیاست
 کس نے کیا کھو یا کیا پایا
 تازہ پھولوں کے گلشن میں
 کیوں آیا کا ہے مرجھایا
 بولو بولو کچھ تو بولو
 جو بولا وہ نام کس آیا
 دھن دولت کی دنیا میں ہے
 خاک یہ شعروں کا سرمایہ

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

بادل سر پر آیا لیکن
 برس نہ پایا بس ترسایا
 جنگل دریا سے مل کر بھی
 سورج حدت چھوڑ نہ پایا
 دلہن برہن پھر بیراگن
 تو نے کیسا ساتھ نبھایا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے



غزل

(تمام مطلعوں پر مشتمل)

تمنا ہی رہی کوئی تو پڑھتا
 ہماری آتما کی روپ رکھا
 عجب محرومیوں کا ہے اندھیرا
 کہ مجھ سے دور ہے میرا ہی سایا
 مجھے باہر سے تو سب نے دیکھا
 مگر تو تو مرے اندر اترتا
 ہر اک رستہ پہ ہر منزل پہ تیرا
 یہاں پر کون ہے جو ساتھ دے گا
 لہو کے زہریں اے کاش پاتا
 گلوں کی جاشنی کا ایک قطرہ
 اسی صورت سے گر مجھ کو جلا یا
 نشاں بھی مل نہ پائے گا چتا کا

مجھے اپنا کے بھی یوں دور رکھا
 کہ جیسے فاصلہ دواجنی کا
 خوشی کا دور کتنی دیر رہتا
 کہ وہ بھی تھا کوئی جھونکا ہوا
 کسی کا درد کوئی بانٹتا کیا
 سبھی کو اپنا اپنا غم ہے پیارا
 مجھے افسوس ہے تو صرف اتنا
 یہاں کوئی بھی دکھ میرے نہ سمجھا
 سلیم اس کو کہیں پر پھینک دوں گا
 اٹھاؤں گا کہاں تک اپنا لاشہ

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے

پڑہو اے



غزل

(تمام مطلعوں پر مشتمل)

قطرہ قطرہ دریا دریا بن بیٹھا تو کیا بچلا تھا
 موج رواں جب بن بیٹھا تو ساحل ساحل لگایا تھا
 شیشہ شیشہ رستہ رستہ رکھ رکھ کریں نے کچلا تھا
 تو نے بھی کیا یاد دلایا اس کو تو میں بھول چکا تھا
 تم کیا جانو سب سے پہلے آنکھوں سے میں نے چوما تھا
 پھر جب تم نے آنکھ ملائی آگے بڑھ کر تم سے ملا تھا
 سوکھے کھیت اور پیلے جنگل ہریالی کو کیا ترسا تھا
 اب کے برس پت بھڑکا موسم جانے کیوں اتنا لمبا تھا
 سانسیں بھول رہی تھیں میری دل میں بھی اک کھٹکا تھا
 اس سے پہلے اس کے آگے میں نہ توانا گھبرا یا تھا
 تو ہے کیوں چپ چاپ بنا کچھ دوش آخر میرا کتنا تھا
 ہانہوں میں بھر کر ہی تجھ کو دل میں تیرے میں اترا تھا
 لکھاؤں میں ہاتھ کی میرے عکس کوئی دھندلا دھندلا تھا
 تجھ کو دیکھا تو پہچانا چھپا ہوا تیرا چہرہ تھا

کیا میں تم سے نہ کہتا تھا وہ تو بس ایسا ویسا تھا
 تم نے اس کی بات میں آکر خود اپنا سب کچھ کھو یا تھا
 بھیڑ کن کی محفل میں کیوں ہے اتنی میں سچ رہا تھا
 میں ہوں شاعر میں ہوں شاعر جس کو دیکھو وہ کہتا تھا
 تم کو اپنی رام کہانی ایک مسافر سنا رہا تھا
 دیکھنے والوں نے یہ دیکھا تم ہنستے تھے وہ روتا تھا
 آنکھ کے اسود اور ابھرنے کے چرخ میں ہلکا سا پردہ تھا
 کیا تھا اس کے دل میں کیا تھا جب ملتا ہنس کر ملتا تھا
 چہرہ چہرہ عکس دکھاتا ایسا میرا آئینہ تھا
 اندر کے چہرے کے عادی لوگوں میں رہ کر ٹوٹا تھا
 بھیگی بھیگی رات تھی لیکن اندر کا موسم جلتا تھا
 تجھ کو پانا پھر کھو دینا کتنا دہنگا یہ سودا تھا

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

پڑھو اے

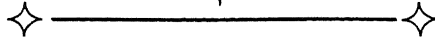
پڑھو اے

پڑھو اے



صفر کا اعجاز اپنا منہ چھپا کر سو گیا
 دل مرا مرجھا گیا تو ذہن خالی ہو گیا
 شاعری روٹھی تو مجھ سے روٹھی ساری کائنات
 کب، کہاں، کیوں کر نہ جانے میرا شاعر کھو گیا!

ختم شد



◆ شاہد پہلی کیشنز کی دوسری مطبوعات ◆ میر تقی میر عالمی سیمینار

مرتب : اطہر رضوی : کل صفحات : ۲۷۱، قیمت : ۳۰۰ روپے

غالب اکیدمی ٹورانٹو کے بانی و صدر جناب اطہر رضوی نے ٹورانٹو میں عظیم الشان پیمانے پر خدائے سخن میر تقی میر سیمینار کا انعقاد کیا۔ اس میں پڑھے جانے والے مقالات کو انھوں نے کتابی صورت میں شائع کیا۔

اس کتاب میں جن حضرات کے مقالے شامل ہیں ان کے اسمائے گرامی یہیں پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، پروفیسر آفاق احمد، پروفیسر منظر ایوبی، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ڈاکٹر نعیم چودھری، ڈاکٹر خالد سہیل، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اکرام بریلوی، ناصر کاظمی (رحم) تسلیم الہی زلفی، ڈاکٹر ظہیر، ڈاکٹر شاہد حسین۔

۹۶۲
۲۰۰۱-۲۱ جنوب مغربی ایشیا میں

ہمارا تہذیبی ورثہ

مصنف : ڈاکٹر تنویر احمد علوی : کل صفحات : ۲۶۰، قیمت : ۲۵۰ روپے

یہ کتاب ڈاکٹر تنویر احمد علوی کی گرانقدر تصنیف ہے۔ اور ان کے وسیع تر تاریخی اور تہذیبی مطالعہ کا ثمرہ ہے۔ ارتقائے تہذیب، علامی تہذیب، عرب تمدن، ہندوستانی روایت، مغربی قوموں کی آمد اور یگانگت کے تقاضے عنوانات ابواب کو تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کے صفحات اس امر کے گواہ ہیں کہ ہماری تہذیبی تاریخ کے سرچشمہ کس طرح ایک دوسرے کی روش و کشش کے آئینہ دار ہیں۔ اور فکر و نظر کے لیے ایک روشن نقطہ اتحاد کا درجہ رکھتے ہیں۔

1594/60

قصہ نہر افروز و دلبر

(تنقیدی و تہذیبی تجزیہ)

مصنف : ڈاکٹر شاہد حسین، کل صفحات : ۲۵۲، قیمت : ۲۵۰۔
ڈاکٹر شاہد حسین کی تحقیقی تصنیف ہے، اس اہم مخطوطے کو پہلی بار اپنے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ پروفیسر ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اب سے ۳۵ سال پہلے مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ جو ہماری ادبیات میں ایک گرانقدر اضافہ کہا جاسکتا ہے۔

صادق الخیری (حیات اور ادبی خدمات)

مصنفہ : ڈاکٹر ظہیرا، کل صفحات : ۳۰۴، قیمت : ۲۵۰ روپے۔
دہلی کے معروف و ممتاز ادیب ترجمہ نگار اور انشا پرداز صادق الخیری کی شخصیت اور ان کے فن پر ڈاکٹر ظہیرا کی یہ وہ کتاب ہے جسے اس مرحوم ادیب کی زندگی پر پہلی دستاویزی تحریر اور تنقید کہا جاسکتا ہے۔

دہلی میں اردو افسانہ

(۱۹۰۰ سے ۱۹۴۷ء)

مصنفہ : ڈاکٹر ظہیرا، کل صفحات : ۳۷۴، قیمت : ۲۰۰ روپے۔
ڈاکٹر ظہیرا کی یہ تصنیف دہلی میں اردو افسانے کی تنقید و تاریخ پر ایک اہم ادبی دستاویزی کتاب ہے۔ انھوں نے بیسویں صدی کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک دہلوی افسانے کا تنقیدی و تاریخی جائزہ لیا ہے یہ جائزہ نہ صرف یہ کہ دہلی میں اردو افسانے کی ابتدا و ارتقا پر ایک اہم جائزہ ہے بلکہ مجموعی حیثیت سے اردو افسانے کے مطالعہ کے سلسلہ میں ایک ضروری کتاب ہے۔